



جنوری 2018

نیا سال مبارک

2018



2018







تعلیم و تربیت



جنوری 2018ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیا سال مبارک ہو!

عیسوی سال 2018ء کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نئے سال کے لیے بہت سی دعائیں [illegible]

[illegible]

سال نو منظر امکان پر ٹھہرے گا

سال نو مشعل ارباب نظر ٹھہرے گا

[illegible]

"پاکستان زندہ باد"

[illegible]

ظہیر سلام

عابدہ اصغر

محمد بشیر راہی

UAN: 042-111-62-62-62 Fax: 042-36278816

E-mail: [illegible]

36278816 - 36361309 - 36361310

2400 روپے

2000 روپے

1000 روپے

2400 روپے



حمد باری تعالیٰ

مہر میں جلوہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
ماہ میں روپ لٹاتے تجھے ہم نے دیکھا
نرم آواز ہواؤں میں تری ہم نے سنی
آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے ہم نے دیکھا
آبشاروں میں ترا نغمہ زیبا پایا
پھول میں چہرہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
رعد میں غصہ بھرا حکم ترا ہم نے سنا
برق میں چشمے بہاتے تجھے ہم نے دیکھا
کھینچ کر نقش زمیں اپنے قلم کے لیے
کھیتیاں سبز اگاتے تجھے ہم نے دیکھا
چند حکایات تری ہوں گی تو گنی بھی جائیں
نیکی کا سیل بہاتے تجھے ہم نے دیکھا

مہ: چاند، قمر
رعد: آسمانی بجلی کی کڑک (آسمان کی بلندی ...)
برق: بجلی



نعت رسول مقبول

فرمایا تم مسلم سارے آپس میں بھائی بھائی ہو
مل جل کر رہو الفت سے سوا مقصود جو اپنی بھلائی ہو
فرمایا دور کرو سب فکریں تم آفت کے ماروں کی
مظلوموں کی مجبوروں کی، بیماروں کی بے چاروں کی
فرمایا تم امداد کرو مظلوموں کی جھونپڑیوں سے
دیکھو دنیا میں ظلم نہ ہو ان نیزوں اور گھوڑوں سے
فرمایا جب تک قوم کوئی خود آپ درست نہیں ہوتی
تقدیر الٰہی بھی اس کی امداد پہ چست نہیں ہوتی
وہ ماہ عرب ہی ہے نیر اپنا تو جہاں میں سہارا ہے
ہو جائیں فدا اس نام پہ ہم جو نام ہی ایسا پیارا ہے

ماہ عرب: عرب کا چاند
فدا: قربان
الفت: پیار محبت

کھانے کے چند آداب

پیارے بچو! کھانا کھانے کے بہت سے آداب ہیں جس سے ہم ناواقف ہیں۔ آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں کھانے کے آداب سے واقفیت حاصل کرتے ہیں تاکہ ہم پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے طریقے (یعنی سنت) پر کھانا کھانے والے بن جائیں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ "کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز مت کرو، یاد رکھو اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (الاعراف 31)

حد سے تجاوز کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ (1) کسی حلال چیز کو حرام کر لینا۔ (2) حلال سے بڑھ کر حرام سے بھی لطف اندوز ہونا۔ (3) بدتمیزی اور حرص سے کھانا۔ (4) اس قدر کم کھانا جس سے جسمانی صحت بگڑ جائے۔ (5) مضر صحت چیزیں کھانا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) ہے۔" (ترمذی، باب، حدیث 1846) معلوم ہوا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے اور کلی کرنی چاہیے اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا اور (کھانے کے دوران) میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا "اے لڑکے! اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔" (مسلم، کتاب، حدیث 2022)

اس حدیث پاک سے ہمیں تین آداب حاصل ہوئے (1) کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ (2) دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا کیوں کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھانا کھاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، نہ پیے کیوں کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔ (ترمذی، باب، حدیث 1799) (3) برتن کے چاروں طرف ہاتھ نہ مارا، بلکہ اپنی طرف سے کھاؤ۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لیے برتن بخشش کی دعا کرتا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب، حدیث 3271)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے انگلیاں اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم، کتاب، حدیث 2033)

ہم میں سے بہت سارے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور پلیٹ صاف نہیں کرتے، پلیٹ میں بچا کھانا چھوڑ دیتے ہیں یہ تو اچھی بات نہیں ہے کیوں کہ اس سے اللہ کا رزق ضائع ہوتا ہے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ پلیٹ میں اسی قدر کھانا ڈالا جائے جس قدر کھا سکیں، اور کھانا کھانے کے بعد پلیٹ صاف کرنا اور انگلیاں چاٹنا مسنون عمل ہے۔ جو کھانا کھا کر پلیٹ صاف کرتا ہے اس کو برتن کی دعا مل جاتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین۔ "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔" (ابوداؤد، کتاب، حدیث 3850)

پیارے بچو! پیارے نبی ﷺ کے روشن ارشادات میں کھانے کے آداب کس پیارے انداز میں سکھلائے گئے ہیں، جب بھی ہم کھانے کے لیے بیٹھیں ہمیں ان آداب کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ جو کھانا سنت کے مطابق کھایا جاتا ہے وہ باعث برکت ہوتا ہے اور نور کا ذریعہ ہوتا ہے۔

☆☆☆



شاہد اسکول گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلنے اور اپنے دوستوں سے ملنے ملانے کے بعد جب گھر آیا تو ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ نسیم نے جو ان کے خاندان کی پرانی خادمہ تھی، دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک خاص تبدیلی محسوس کی۔ گھر میں تو شام کے وقت بڑا شور مچا ہوتا تھا۔ کنبے کے سارے افراد موجود ہوتے تھے۔ مگر آج ہر طرف خاموشی تھی۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا اور سیدھا دادی جان کے کمرے میں گیا۔ دادی جان دادا ابو سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ شاہد کو دیکھتے ہی بولیں۔

"ابھی گئے نہیں، شاہد بیٹا؟"

"کہاں، دادی جان؟" شاہد نے پوچھا۔

"بھول گئے ہو، بیٹا! کلثوم کی برات آنے والی ہے۔ سب وہاں جا چکے ہیں۔ تمہیں بھی سات سے پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

دادی جان کی یہ بات سن کر شاہد کو یاد آ گیا کہ آج شام تو اس کی پھوپھی کی بیٹی کی شادی ہے اور اسے بھی وہاں جانا ہے۔ دادی جان اسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ شاہد شرمندہ سا ہو گیا۔

"اوہو! میں بھول ہی گیا تھا، دادی جان۔"

"کئی ضروری باتیں تم نہیں بھولا کرتے۔" یہ الفاظ اس کے دادا ابو نے کہے تھے۔

"اس لڑکے کا دماغ تو نہ جانے کن کن کاموں میں الجھا رہتا ہے۔" دادی جان نے ذرا غصے سے کہا۔

"چلو، کوئی بات نہیں۔ اب چلے جاؤ۔" دادا ابو بولے۔

"جاتا ہوں۔ کپڑے بدل لوں ذرا۔"

اور یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں پہنچا۔ ماں نے اس کا نیا سوٹ نکال کر ہینگر پر لٹکا دیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی لباس بدلا اور نسیم کو دروازہ بند کرنے کا کہہ کر پھوپھی کے گھر کی طرف جانے لگا۔

پھوپھی کا گھر کافی فاصلے پر تھا، اس لیے وہ اپنی سائیکل لے آیا تھا۔ سائیکل پر سوار ہوتے وقت اس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سات بجنے میں ابھی چھ منٹ تھے۔ ساڑھے سات بجے تک ضرور پہنچ جاؤں گا۔ اس نے سوچا اور اس کی سائیکل سڑک پر تیزی سے حرکت کرنے لگی۔

بڑی سڑک سے ہوتے ہوئے وہ چھوٹی سڑک پر آ گیا۔ چند منٹ ہی چلا تھا کہ دائیں جانب اس کی نظر ایک گلی پر پڑی۔ اس گلی کے آخر میں اس کا دوست امتیاز رہتا تھا۔ امتیاز اس کا پہلی جماعت سے کلاس فیلو چلا آ رہا تھا۔ دونوں ایک ہی دن اسکول میں

داخل ہوئے تھے اور دونوں میں ایسی گہری دوستی تھی کہ لوگ انہیں دوست نہیں، ایک دوسرے کا بھائی سمجھتے تھے۔

شاہد نے چاہا کہ امتیاز کو بھی اپنے ساتھ لے چلے۔ جب عرصے میں وقت گزرے گا۔ یہاں پر اس نے سائیکل کا رخ گلی کی طرف پھیر دیا۔ دروازے پر دستک دی تو امتیاز آ گیا۔ شاہد نے محسوس کیا کہ وہ معمول کے خلاف کچھ گم صم دکھائی دے رہا ہے۔

امتیاز نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کی نگاہیں اپنے دوست سے پوچھ رہی تھیں۔ "کیا بات ہے، شاہد؟ کیسے آئے؟"

شاہد کہنے لگے۔ "تمہیں پتا ہے نا، میری پھوپھی کی بیٹی کی شادی ہے۔ تمہیں پرسوں بتایا تو تھا۔"

امتیاز نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"چلو، بڑا خوب لطف رہے گا۔"

"نہیں شاہد۔ میں نہیں جا سکتا۔"

"پر کیوں؟"

"میری آپا کی طبیعت خراب ہے۔ ابا جی دورے پر ہیں۔ امی دوا لینے جا رہی ہیں۔"

شاہد امتیاز کی آپا کو اپنی آپا ہی سمجھتا تھا۔ ان کی بیماری کی خبر سن کر اسے دکھ ہوا۔ اس نے کہا۔ "مجھے تو ان کی بیماری کا علم ہی نہیں تھا۔ تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"ہاں، میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا۔ پرسوں جب ہم ملے تھے تو انہیں ہلکا سا بخار تھا۔ کل صبح طبیعت یکایک بہت خراب ہو گئی ——— اور کل اور آج ہم ملے ہی نہیں تھے۔"

"چلو، آپا کے پاس۔"

شاہد امتیاز کے ساتھ دالان میں سے گزر کر اندر آ گیا۔ آپا چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ لگتا تھا بہت کمزور ہو گئی ہیں۔

"آؤ، شاہد بیٹا۔ کیا حال ہے؟" یہ سوال شاہد سے امتیاز کی امی نے کیا تھا جو برقعہ پہن رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں، خالہ جان۔" شاہد نے کہا اور پھر آگے جا کر آپا کے چہرے پر جھک کر بولا۔ "آپا! کیسی طبیعت ہے؟"

آپا نے ہونٹوں پر ذرا سی مسکراہٹ لا کر سر ہلا دیا۔ ان کی آنکھیں جو ایک لمحے کے لیے کھلی تھیں، پھر بند ہو گئیں۔ شاہد نے اندازہ لگایا کہ وہ کافی بیمار ہیں۔

"اچھا۔" امتیاز کہنے لگا۔ "شاہد! باجی کلثوم کی شادی میں جا رہا ہے۔ مجھے لینے کے لیے آیا تھا۔ میں کیسے جا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک کہتے ہو، بیٹا۔ کلثوم کی شادی میں تمہیں بھی ضرور جانا چاہیے تھا۔ مگر تمہاری آپا کی طبیعت خراب ہے۔" پھر انہوں نے شاہد سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شاہد بیٹا، تم جاؤ۔ ہماری مجبوری اپنی امی کو بتا دینا۔"

شاہد نے دیکھا کہ امتیاز کی امی برقعہ اوڑھ چکی ہیں اور دروازے کی طرف جا رہی ہیں۔ اس نے پوچھا۔

"خالہ جان! آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"دوا لینے۔ امتیاز گیا تھا۔ ملی نہیں۔ اب قریب کی دکانوں سے پوچھ کر آتی ہوں۔"

"خالہ جان، میرے پاس سائیکل ہے۔ میں جاؤں گا۔"

"نہ بیٹا۔ تم دیر سے گھر جاؤ گے۔ شادی کی کوئی رسم نکل جائے گی۔"

"نہیں، خالہ جان۔ آپ کو دیر لگے گی۔ میں منٹوں میں لے آؤں گا۔"

امتیاز کی امی اسے شادی کے گھر جانے کی تاکید کرتی رہیں مگر شاہد کا اصرار تھا کہ وہی دوا لینے جائے گا۔ جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو امتیاز کی امی نے اسے نسخہ اور دوا کے پیسے دے دیے۔

"بہت تیز جانا۔ دیکھو بیٹا، کہیں کل سے آپا کی یہ دوا نہیں مل رہی۔ پریشانی تھی۔" "اچھا، خالہ جان۔"

شاہد نسخہ اور نوٹ لے کر باہر آ گیا۔ سائیکل پر چڑھتے وقت اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ڈاکٹر کا بتایا ہوا کیمسٹ کہیں دور ہو اور دوا لینے میں کافی دیر لگ جائے گی۔ پھر مجھے دادی جان کو بھی بتانا ہوگا کہ باجی کلثوم کے گھر جلد نہیں پہنچ سکوں گا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ امتیاز کے گھر والے ان دنوں تنگی میں گزر بسر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کی فیس کہاں سے دی ہوگی۔ اس نے سوچا اور سوچ کر سائیکل کا رخ اس طرف کی طرف پھیر دیا جہاں سے وہ آیا تھا۔

شاہد کو گھر کے دروازے پر دیکھ کر اماں نے پوچھا۔ "تم تو کلثوم کے گھر گئے تھے؟"

"دادی جان سے کچھ کہنا ہے۔"

شاہد تو اپنے کمرے میں گیا۔ اس نے اپنے کمرے کا تالا کھول کر الماری سے پیسے نکالے جو اس نے کچھ تم جمع کر رکھی تھی۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ کتنی ہوتی ہے۔ مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ اتنی رقم سے کم نہیں ہوگی۔ اس نے ظاہری طور پر گلوں کو ٹٹول کر تھوڑی سی رقم سے سارے نوٹ نکال کر جیب میں رکھ لیے۔ اس طرف سے فارغ ہو کر وہ دادی جان کے

پاس گیا اور ان سے کہا: "دادی جان، امتیاز کی آپا بیمار ہیں۔ وہاں سے ہو کر ابھی آ جاؤں گا۔"

"جلدی چلے آنا۔ سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"اچھا دادی جان۔"

اس نے پہلے تو کیمسٹ کی ایک بڑی دکان سے دوا خریدی اور پھر تیزی سے سائیکل چلانے لگا۔ جب وہ امتیاز کے گھر پہنچا تو آپا تکیے کا سہارا لے کر پانی پی رہی تھیں۔ پانی کا گلاس ان کی امی نے تھام رکھا تھا۔

"لے آئے بیٹا؟"

"جی ہاں" اور شاہد نے گولیوں کا پیکٹ امتیاز کی امی کے حوالے کر دیا، جنھوں نے اب گلاس تپائی پر رکھ دیا تھا۔

آپا کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تین گولیاں دے دی گئی تھیں۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر شاہد کا شکریہ ادا کیا اور چند باتیں کرنے کے بعد دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ شاہد کو توقع تھی کہ دوا کے استعمال کے بعد آپا کی طبیعت بحال ہو جائے گی لیکن [illegible] سے انھوں نے جو کچھ کھایا پیا تھا، سب نکل گیا۔ ان کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ سبھی پریشان ہو گئے۔ بار بار بلانے پر بھی وہ نہ تو کچھ بولتی تھیں اور نہ آنکھیں کھولتی تھیں۔

یہ دیکھ کر شاہد کہنے لگا: "خالہ جان، میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں، وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر اصغر علی ابھی اپنے کلینک ہی میں تھے۔ شاہد کے باپ کے دوست تھے اور شاہد کو پہچانتے تھے۔ شاہد نے انھیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

کلینک بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ ایسے میں ڈاکٹر صاحب سیدھے گھر جاتے تھے، مگر شاہد سے انکار نہ کر سکے۔ وہ شاہد کے ساتھ امتیاز کے گھر آئے اور آپا کو دیکھ کر کچھ گھبرا سے گئے۔

"بیماری بڑھ گئی ہے۔ تیز دوا پر بھروسا رکھیے۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا اور پھر نسخہ لکھ کر بولے: "ہر گھنٹے بعد دو گولیاں دینا ہوں گی اور ایک خوراک ٹیکے کی بھی۔ ایک بڑا ٹیکہ کے بعد۔ یہ کام صبح تک باقاعدگی سے ہونا چاہیے۔"

شاہد نے نسخہ لے لیا اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کی فیس ادا کی اور سائیکل پر بیٹھ کر کیمسٹ کی دکان پر گیا۔ فیس ادا کرنے کے بعد بچے ہوئے پیسے اس کی جیب میں



بچے تھے، وہ دوا خریدنے میں لگ گئے اور جب وہ دوا لے کر لوٹ رہا تھا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

آپا کو ٹھیک ایک گھنٹے بعد دوا ملنے لگی۔ امتیاز نے اور اس کی امی نے شاہد سے بار بار گھر جانے کے لیے کہا لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا اور رات بھر میں امتیاز کی امی کا ہاتھ بٹاتا رہا۔

آہستہ آہستہ آپا کی طبیعت بحال ہونے لگی اور جب سورج کی پہلی کرن نے مشرق سے جھانکا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

شاہد کو امتیاز کی امی نے بڑی دعائیں دیں۔ انھوں نے ڈاکٹر کی فیس دینی چاہی تو شاہد نے کہا: "آپا میری بھی آپا ہیں۔"

وہ اپنے گھر پہنچا تو اس کے گھر والے واپس آ چکے تھے۔

"تم کہاں رہے رات بھر؟" اس کی امی نے پوچھا۔

شاہد نے سارا قصہ سنا دیا اور کہا: "امی، میں نے دادی جان سے کہہ دیا تھا کہ امتیاز کی آپا بیمار ہیں۔ وہاں مجھے رکنا پڑا۔"

شاہد کے دادا بھی یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ وہ بولے:

"شاہد ادھر آؤ، میرے پاس۔"

شاہد ان کے پاس جا بیٹھا۔

"بیٹا، پچھلے سال کا سورج غروب ہو چکا ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ تم نے نئے سال کا استقبال ایک نیکی سے کیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے شاہد کو سینے سے لگا لیا اور بڑی شفقت سے اس کے ماتھے کو چوما اور پھر سر پر بہت دیر تک ہاتھ پھیرتے رہے۔

☆☆☆

ایک دن فجر ظہر سے کہنے لگی: "آؤ ذرا عصر اور مغرب کے پاس چلیں پھر رات کو عشاء کے گھر آرام سے ٹھہریں گے۔ مدت ہوئی ملے ہوئے۔" یہ کہتے ہوئے فجر اپنی ذمہ داری نبھانے چل دی کیوں کہ سوتوں کو اٹھانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ ایک پکار جس کو پانچ بار دن میں دہرایا جاتا ہے، اسلام دے کر مسلمانوں کو ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا کیا جاتا ہے اور ہر رنگ، نسل، ذات کے لوگ محمود و ایاز کی طرح غلامی و حکم رانی کے طوق گلوں سے اتار کر محبت، برابری، مساوات، بھائی چارے کے بے مثال نمونے پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بے مثال نمونہ ذات رسول ﷺ نے پیش کر کے دکھایا۔ اللہ پاک کا حکم ہے کہ نبی پاک ﷺ جس چیز کا حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ نمازیں تو تحفۂ الٰہی ہیں جس وقت معراج کی شب ستائیس رجب المرجب کو خاتم المرسلین ﷺ آسمانوں کی سیر پر بلائے گئے۔ حضرت جبرائیل امین سدرۃ المنتہیٰ تک جا کے ٹھہر گئے۔ مقام قاب قوسین کے مراحل اکیلے ہی طے کرائے گئے۔ نبی پاک ﷺ کی امت جو خوش قسمت ترین ہے اپنے حبیب کی ذات مبارکہ کی وجہ سے اس تحفے کی حق دار قرار پائی۔ پچاس کے بدلے پانچ نمازیں مگر اجر و ثواب پچاس کے برابر۔

جب نماز فجر کے بعد کوہ سرکی قرأت نصیب ہوئی تو سب سہیلیاں مل جل کر آپس میں بات چیت کرنے لگیں۔ فجر نے کہا: "دوستو! میرا نام تو قرآن پاک کی ایک سورت الفجر میں ہے۔ میں پارہ تیس میں ہوں، اس لیے میں تو بہت خوش قسمت ہوں۔ مجھے پڑھنے والا تمام دن ہشاش بشاش رہتا ہے۔ اس کے چہرے پر نور اور تازگی دکھائی دیتی ہے۔ رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے اور صبح نور کے فرشتے اس نیک شخص کا نام منبر نے نور کے حرف میں لکھ لیتے ہیں اور پھر اللہ پاک کو بتا کر دعا کرتے ہیں کہ یہ بندہ سردیوں کے وقت نماز فجر کے موسم میں بستر سے نکلا، گرم لحاف، کمبل اور گدے کی راحت قربان کی اور تیری بارگاہ میں جھک کر بندگی کرنے لگا۔ جنت کی کنجی کا وارث ٹھہرا اور اس نے یہ قربان رسول پاک ﷺ کی نماز حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اپنا عمل: اعمال کو صبح سویرے جھنگ جھنگ بنا دیا۔" ظہر کی نماز فجر کے بولنے کے بعد کہنے لگی: "مجھے پڑھنے والا ملائکہ محسوس کرتا ہے۔ راحت اور سرور بھی پاتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں سخت گرمی میں نمازی جب مساجد کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں تو فرشتے بھی اللہ کی مخلوق کے لیے دعا کرتے ہیں کہ یہ گرمی کی شدت سے بے پروا اللہ کے گھروں کو آباد کرنے نکل پڑے ہیں۔ چار رکعات سنت، چار فرض، دو سنت، دو نفل۔ پھر جمعہ کے روز تمام مسلمان سید الایام یعنی دنوں کا سردار کہتے ہیں، اس روز مساجد میں رونق دیکھنے والی ہوتی ہے۔ تمام عالم اسلام طہارت، غسل میں معروف، خطبہ جمعہ کے لیے بارگاہ خداوندی میں جھکنے کے لیے تیار۔ خالق و مخلوق کی محبت کا منظر، حضرت سید البشر ﷺ کی ساعتیں قبولیت کے در وا کیے، ہر گھڑی اسی اعجاز کی بارشیں، رحمتوں کی گھڑیاں نصیب ہوتی ہیں۔ بالخصوص جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر درود شریف پڑھا جاتا ہے آگے پیچھے تک علاقوں سے گھروں سے مسجد نبوی ﷺ، مسجد الحرام، بادشاہی مسجد اور دنیا بھر کی تمام مشہور مساجد فیصل مسجد، ترکی کی مساجد سب خوش ہوتی ہیں کہ رحمت الٰہی چھما چھم برس رہی ہوتی ہے۔" ظہر نے ایک لمبی تقریر کی تو فجر کہنے لگی: "میری رکعات کے بارے میں مجھے آگر آپ بھول گیا، دو سنت اور دو فرض۔ ہاں بھئی اب باری ہے عصر کی۔" عصر کو موقع ملا تو سلام و دعا کے بعد کہنے لگی: "میرا ذکر بھی قرآن عزیز کی ایک سورۃ میں ہے۔ پارہ تیس میں والعصر کہہ کر اللہ نے قسم کھائی ہے۔ میری چار سنتیں ہیں اور چار

ہی فرض ہیں۔ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں یعنی چھوڑ دیں تو گناہ نہیں پڑھیں
تو ثواب میں کوئی کمی نہیں۔ میری اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ اہم تو
سبھی ہیں لیکن کہ ہم پانچوں فرض ہیں۔ صرف ظہر اور عصر بھی بچ گی
دیجائے پر پابندی اور شرعی طور پر علماء کی رائے سے کوئی قضا ہو تو
وقت ہم ہر عاقل، بالغ پر فرض ہیں۔ کھڑے سے بیٹھ کر لیٹ کر اشارہ سب
سے معاف نہیں ہیں۔ ہمیں قضا کیا تو جب بھی ہمیں پڑھا جائے۔ قبر
میں سب سے پہلے جنت سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ بھی نماز
ہے۔ یہ صفت نبی ہے کہ کافر اور مومن کے درمیان فرق کرنے والی
چیز بھی نماز ہے۔ ایک بار حضرت علیؓ کی عصر کی نماز قضا ہوگئی تو رسول
پاکؐ کے اشارے پر سورج پلٹ آیا پھر آپؓ نے نماز عصر ادا کی۔
سبحان اللہ عصر کے وقت ہی فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔
اعمال نامے انہی کے حوالے کئے جاتے ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے
ہیں۔ خصوصاً درمیانی نماز کی۔ میں بھی بہت خوش ہوں کہ اللہ پاک
نے مجھے بھی حضرت دہشت کے لیے چنا۔ تنگ لوگوں کے چہروں پر
بھوک کی تاثیر سے ان کی پہچان کی نشانیوں میں عصر کے بعد بھی
وجہ ہیں۔ الغرض مغرب کی نماز سنگ باری اور سامنے آنے لگے گی۔
تین فرض دو سنت اور دو نفل اور دعا کر جو سے اٹھنا مجھے جلد ادا
کرنا چاہیے۔ میری اہمیت یہ ہے کہ جب رمضان کریم اسلامی مہینوں
میں داخل ہوتا ہے تب مغرب کی اذان پر ہی روزہ افطار کیا جاتا ہے
پھر تو میرے اندر فضیلت ہی فضیلت بھر جاتی ہے کیونکہ روزہ دار
کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے
گا، دوسرا افطار کے وقت پھر مغرب کے بعد سب لوگ اپنے اپنے
گھروں میں آرام کرتے ہیں جیسے پرندے شام ڈھلے اپنے گھونسلوں
میں لوٹ آتے ہیں۔ خدا کرے ہر انسان اپنی منزل کو پہنچے (آمین)
جانے سے پہلے میں آپ کو ایک سبق آموز واقعہ سناتی چلوں ایک
مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آقا کریم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے نماز کی مثال ایسے بیان کی۔ "آپ فرماتے ہیں جس کسی
نے اللہ کی رضا کی خاطر اخلاص نیت سے نماز ادا کی اور درخت کو
جھنجوڑ کر دکھاتے ہوئے فرمایا اس طرح درخت موسم خزاں کے موسم کے
پتوں کی طرح اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ نمازوں کی کس
قدر فضیلتیں ہیں۔ مسجد الحرام میں نماز ادا کرنے کا اجر و ثواب لاکھ
لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی شریف میں ہر ہر نماز کا ثواب
پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ یہ تو بیت اللہ اور مسجد نبوی کی
بہاریں ہیں۔ عشاء کی نماز سب سے آخر میں آتی ہے اس لیے آخر پر
اس کی باری آئی تو بولی۔ "ہم تو سب نمازیں بھی پیاری ہیں اور میں سے
ان پر چھوٹے اٹھاتی ہوں تو عبادت اختتام ہو گی۔ جی ہاں نماز میں تکمیل
دن بھر کے تھوڑے ہونے کے بعد ایک نشانی ہے۔ اللہ
سے ملاقات کا خوب صورت ذریعہ ہے۔ پانچ ہر وقت رب العزت
سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ نماز ایسے پڑھو جیسے تم خدا کو
دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ یہ
فرمان رسولؐ ہے۔ ہمارے دوران نماز کے اندر قرآن عظیم کی تعظیم سورۃ
فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے جو بہترین دعا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور دعا ہم پڑھا جاتا ہے اور
توحید یعنی سورۃ اخلاص بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ درود
ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مختلف قرآنی دعا ہے۔ جیسے ماثورہ دعا
بولتے ہیں وہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ سجدے رکوع، قیام قعدہ ہر ہر
مقام عبادت، تفکر اور رضا کو ظاہر کرتا ہے۔ سجدہ نماز کی معراج ہے
اور تکبیر تحریمہ کہ جب نمازی ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے تمام
دنیا سے کٹ کر اپنے اللہ کے آگے ہاتھ باندھتا ہے تو بندے اور
خالق کا تعلق مضبوط کا اعلان کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے ایک مرتبہ
نبی پاکؐ نے صحابہ سے فرمایا "اگر تمہارے گھر کے آگے سے ایک نہر
گزرتی ہو اور تم پانچ مرتبہ غسل کرتے ہو تو کیا تمہارے جسم پر کوئی
میل کچیل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ
پھر آپ نے فرمایا "پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ گناہ
مٹتے جاتے ہیں فرض کریں جتنے اور بندوں نے خشوع و خضوع
سے نمازیں ادا کیں۔ رب ان سے راضی ہوا۔ ان کا ذکر قرآن میں
کیا گیا دیکھو میں نے بندے کیسی کیسی باتیں قرآن کر کے میری بارگاہ
میں میری رضا کے لیے کثرت ہیں۔ تم میں روشنی اور پل صراط سے
گزرنے کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ قرآن عزیز میں ساتھ
سو بار سے زیادہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے نماز کی
اہمیت و افضلیت عیاں ہوتی ہے۔ تو ہم عالم اسلام پر ہو قیامت تک
کے لیے یہ قرآن، ہدایت و کامیابی اور ہدایت کا ذریعہ بھی ہے
آیئے ہم عہد کریں نماز رسول کی قدر کریں گے کیوں کہ دنیا میں
تحفوں کی تو ہم بہت قدر کرتے ہیں مگر یہ تو تحفہ ہے جو ہم تعلق کا
مرہم ہے۔ عصر یہ جانے سے پہلے میری رکعتوں کا آپ کو معلوم ہونا
چاہیے چار سنتیں، چار فرض، دو سنت، دو نفل، تین وتر اور پھر دو نفل
ہوتے ہیں۔ سترہ رکعات۔ اس کے بعد میں بھلی نیند کی ضمانت دیتی اور
صبح پھر سے فجر سے ملاقات۔ ☆☆☆



الرّقیب جلّ جلالہٗ

(خبر گیری اور نگرانی کرنے والا)

الرّقیب جلّ جلالہٗ وہ ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات سے بھی باخبر ہے اور ہر ایک کے عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے کسی سے غافل نہیں۔ وہ مخلوقات کی تمام چھوٹی بڑی مصیبتوں سے حفاظت کرتا ہے۔

یہ مبارک نام قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام کی نگرانی رکھتے ہیں تو ایسے کام جن میں اس کی نافرمانی ہو، ان کاموں کو کرنے سے ہمیں بچنا چاہیے تنہائی میں بھی اور دوستوں کی محفل میں بھی۔ اسی طرح جب وہ ہماری حفاظت کرنے والے ہیں تو پھر ہم جن، بھوت، درندے اور جانوروں سے کیوں ڈریں؟ ڈر تو صرف اسی ایک کا ہونا چاہیے۔

ایک خبر، ایک سبق

ماسٹر نذیر کافی دیر سے اسٹاف روم میں پریشان بیٹھے تھے۔

"نذیر بھائی! آپ پریشان کیوں ہیں؟ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" ماسٹر رفیق صاحب نے پوچھا۔

"کلاس سے پریشان ہوں۔"

"اچھا مگر کیوں، کیا ہوا کلاس کو؟"

"بھائی رفیق! جب تک میں کلاس میں رہتا ہوں، میری نگرانی میں سب ٹھیک رہتا ہے۔ ادھر کلاس سے نکلا اور ادھر وہ شور اور دھینگا مشتی کہ بس! مذاق مذاق میں دو لڑکوں میں ہاتھا پائی ہو گئی۔ میں اگر ایک منٹ تاخیر کر دیتا تو ندیم، فیروز کا سر پھوڑ دیتا۔"

تھوڑی دیر رک کر پھر انہوں نے کہا: "میں لاکھ سمجھایا ہے کہ اس طرح نہیں کرتے، مگر مجال ہے لڑکوں کے کان پر جوں تک رینگ جائے۔" "یہ مسئلہ تو میری کلاس میں بھی تھا۔ پھر میں نے ایک طریقہ اپنایا، تم بھی وہ اپناؤ، شاید مسئلہ حل ہو جائے۔"

"کون سا طریقہ؟" نذیر صاحب بے تاب ہو گئے۔ پھر رفیق صاحب انہیں تھوڑی دیر کچھ بتاتے رہے۔

"ٹھیک ہے میں کل ہی یہ طریقہ پہلے دن سے میں اپناتا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

نذیر صاحب جیسے ہی کلاس میں داخل ہوئے تو سب بچوں نے سلام کا جواب دیا۔

"ہاں جی، سب بچے کتابیں نکال چکے ہیں۔"

"دانیال آج کون سا سبق پڑھنا ہے؟"

"سر آج کا سبق ہے 'ہم آرمی'۔"

"نہیں! آج کا سبق تو 'ایک خبر ایک سبق' ہے۔"

"سر! اس طرح کا کوئی سبق کتاب میں نہیں ہے۔" آفتاب نے حیرت سے کہا۔

"جی آج کا سبق ایک انوکھا سبق ہے۔"

لڑکوں کا تجسس بڑھتے دیکھا تو سر نے اخبار کا ایک تراشہ لہراتے ہوئے کہا: "اس میں موجود ایک خبر ہی آج کا ایک سبق ہے۔ یہ خبر

"لندن کے اخبار ٹائمز میں ایک تصویر کے ساتھ شائع ہوئی۔"

سب بچے اخبار کے تراشے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ قدیر صاحب نے ہر ایک لڑکے کی طرف اس اخبار کے تراشے کی فوٹو اسٹیٹ بڑھا دی۔ جب سب لڑکے اخباری تراشے کو بغور دیکھ چکے تو انہوں نے بات شروع کی۔ خبر تھی۔ "ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر دو لوگ پکڑے گئے۔"

اب وہ تفصیل اور تراشے سے پڑھنے لگے۔ "کار چلانے والے دو آدمی اس جرم میں پکڑے گئے اور ان پر جرمانہ عائد کیا گیا کہ انہوں نے لال بتی ہونے کے باوجود اپنی گاڑی نہیں روکی۔ ایک گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک چورنگی پر پہنچی۔ اس کے پہنچتے ہی وہاں کی لال بتی جل اٹھی۔ اب اس گاڑی کو وہیں رک جانا چاہیے تھا مگر لال بتی جلنے کے باوجود رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور کو معلوم نہ تھا کہ خفیہ کیمروں کے ذریعے سے اس کا فوٹو لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ عین اسی وقت جب کہ اس نے لال بتی جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اسے پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ بعد پیش آیا۔ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کے پکڑے جانے کی تفصیل یہ ہے کہ لال بتی جل جانے کے باوجود رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دو سیکنڈ بعد پیش آیا۔

پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا جب کہ دوسری تصویر میں دو سیکنڈ کی خلاف ورزی کی۔ ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کیے جانے والے کیمروں کی مدد سے عمل میں آئی۔ حالاں کہ یہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزر رہی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں، مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی۔ انہی تصویروں کے ذریعے انہیں بآسانی پکڑ لیا گیا۔"

خبر کی تفصیل پوری کر کے انہوں نے لڑکوں کی طرف دیکھا تو سب بڑی کوشش تھے۔ ان کے تاثرات سے معلوم ہو رہا تھا کہ انہیں یہ خبر بڑی عجیب لگی۔ انہوں نے مزید کہا: "دیکھا بچو! جب لوگ دنیا کے کیمروں سے نہیں بچ سکتے تو اللہ تعالیٰ کے خفیہ کیمروں سے کیسے بچیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں، ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ سیدھے ہاتھ والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور الٹے ہاتھ والا برائیاں۔ پھر جب ہم آخرت میں جائیں گے تو انسان تعجب سے کہے گا:

"اس نے دنیا میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں کیا جو انہوں نے نہ دیکھا ہو، یعنی سب کچھ لکھ لیا ہے۔" جو کوئی برائی یا نیکی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خفیہ کیمرے اور فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں۔ انسانوں نے جو نظام بنایا ہے وہ ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی بھی پکڑ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نظام کتنا زبردست ہو گا۔"

قدیر صاحب چپ ہوئے تو سب لڑکے خاموش تھے۔ یہ سب بچوں کے لیے نیا تھا۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں، اگر کلاس میں کچھ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ہے نا۔ "الرقیب جل جلالہ" ان کا ایک مبارک نام ہے، جس کا مطلب ہے "نگہبان"۔ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور نگرانی کر رہا ہے تو پھر ہمیں مجال نہیں، ہمیں کلاس میں اپنے کاموں سے رک جانا چاہیے جو اسے ناپسند ہیں۔ مثلاً کام چوری، چغلی، جھگڑا اور بدتمیزی نہیں کریں گے۔

"کیا خیال ہے دانیال، جب میں کلاس سے چلا جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ تو ہوتے ہیں نا؟"

"جی سر! اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے۔"

"جب وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہماری نگرانی کر رہے ہیں تو پھر ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟" شہزاد نے کہا: "ایسا ہی رویہ جیسا آپ کی موجودگی میں، بلکہ اس سے بھی بہتر۔" شہروز نے جواب دیا۔

"آج سے ہمارے لڑکے ایسے ہی رہیں گے؟"

"جی ہاں!" سب لڑکوں نے مل کر جواب دیا۔

"شاباش! مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔"

پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو وہ کلاس سے باہر آ گئے۔ دوسرے ٹیچر آنے تک کلاس میں ویسی ہی خاموشی تھی جیسی ان کی موجودگی میں۔ "ایک تھی ایک سچی" یہ طریقہ بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ طلبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبانی اور نگرانی کا احساس پیدا کر کے اب وہ نظم و ضبط کے حوالے سے مطمئن ہو چکے تھے۔

یاد رکھنے کی باتیں

۱۔ جب ہمارے "الرقیب جل جلالہ" ہمارے ہر چھوٹے بڑے کام کی نگرانی فرما رہے ہیں تو پھر ہم ایسے کام نہیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔

۲۔ ہماری کلاس میں اگر استاد موجود نہیں ہے تو کلاس میں شور نہ کریں۔ کسی سے نہ جھگڑیں بلکہ اس وقت بھی کسی کو تکلیف دینے کا ارادہ نہ کریں۔ ☆☆☆



نام تو اس کا شمیمہ تھا۔ مگر سب اسے ممی کہا کرتے تھے۔

ممی ایک غریب باپ کی بیٹی تھی۔ شہر کے آخری سرے پر موجود قبرستان کے بالکل قریب ان کا ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا۔ ماں کے علاوہ چھوٹے بھائی اور ممی کی ایک بہن تھی جس کی عمر ابھی محض تین برس ہی تھی۔

ماں کا انتقال تھوڑی عرصہ پہلے ایک معمولی مرض کی وجہ سے ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ ننھی ممی جس کی عمر ابھی گیارہ برس ہی تھی اور جس کے ابھی کھیلنے کودنے، پڑھنے اور گڑیا سجانے کے دن تھے۔ ایک دم سے گھر کی بڑی ہو گئی۔

اپنے چھوٹے بھائیوں اور ایک ننھی بہن کی جیسے ماں بن گئی۔

اب وہ صبح اسکول جاتی تو بہن بھائیوں کو پڑوس میں چھوڑ جاتی اور اسکول سے واپس آ کر سارا دن گھر میں رہتی۔ ممی بھائیوں کی ایک ماں کی طرح دیکھ بھال کرنے لگی، انہیں پڑھانے لگی۔

اس کا باپ بھی بیمار رہنے لگا تھا جو بھی تو صحیح تھی ... مگر غم زدہ بھی بہت تھا۔

وہ جھونپڑے سے ملحقہ قبرستان میں قبریں کھودتا تھا۔ وہ اس قبرستان کا گورکن تھا۔ اگرچہ اس میں جان نہیں تھی مگر بچوں کو پالنے کے لیے وہ دن بھر قبریں کھودنے میں مگن رہتا اور شام کو ہانپتا کانپتا واپس گھر آتا۔

وہ ایک ٹانگ سے معذور تھا، اس لیے ایک لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ اپنی معذوری کی وجہ سے وہ کوئی اور کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کی لاٹھی

ہاں، اس کی لاٹھی بہت قیمتی تھی۔ جو اس کے دادا کی نشانی تھی۔ گورکن کا دادا کسی زمانے میں زمین دار تھا۔ اس نے اپنے لیے ہاتھی دانت کی لاٹھی بنوائی تھی۔ یہ لاٹھی وراثت میں گورکن کے باپ کو مل گئی۔ مگر تب تک ساری جاگیر ختم ہو چکی تھی اور اس خاندان پر غربت نے اپنے ڈیرے ڈال دیے تھے۔

جب یہ لاٹھی اسے وراثت میں ملی تب تک وہ بھوکوں مرنے لگے تھے۔ گورکن بچپن میں ہی پولیو کی وجہ سے معمولی سے لنگڑے پن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کا علاج ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے دادا کی قیمتی لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ لاٹھی کے بغیر بھی چل لیتا تھا۔ مگر اس لاٹھی سے اسے نسبت تھی، پیار تھا ... دادا کی آخری نشانی تھی اس لیے باہر آتے جاتے وقت اسے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک شام جب گورکن گھر واپس آیا تو تھکن سے چور تھا۔ آج اس نے تین قبریں کھودی تھیں۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ آتے ہی چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

ممی نے جلدی سے باپ کو پانی لا کر دیا۔ گورکن پانی پینے لگا۔

تب ہی نئی فکر پڑی... اس کو بابا کی شال بھی امانت کی طرح ساتھ نہیں دیا تھا، جو ہر وقت اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "بابا... آپ کی شال کہاں ہے...؟"

اس کے بابا نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"میری بچی میں تمہیں آواز دے رہا تھا، وہ بھی کہیں بھول گیا..."

"کیا مطلب... میں سمجھی نہیں بابا...؟" بچی نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم کہاں چلی گئی ہو، میں اتنا تھک گیا تھا کہ یہاں ہی قبر کی طرف چل دیا، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ آخری قبر کے پاس ایک درخت کے پاس رکھ دی ہے۔ آدھے راستے تک جب پہنچا، تب پتا چلا کہ شال تو قبرستان میں ہی بھول آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ واپس جاؤں مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ واپس جا کر وہ شال لے کر آتا..."

"اوہ... تو وہ بھی اب وہیں ہے۔ وہ تو بہت قیمتی تھی بابا... اور آپ کو بہت عزیز بھی تھی...؟"

"ہاں بیٹی! اب مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں جلدی کی... اگر وہاں کوئی لے گیا تو کتنا نقصان ہوگا، وہ سب سے بڑھ کر اس میں تمہاری ماں کی نشانی تھی۔ تم ذرا آرام کر لو... اچھا ہے جانے دو، چوری کا ڈر، کوئی لے نہیں گیا تو وہاں سے لے آئیں گے..."

بچی دیکھ رہی تھی کہ اس کا بابا کس بری طرح تھک گیا ہے۔ وہ چارپائی پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ اپنے بابا کا بہت خیال رکھتی تھی۔ چھوٹی سی تھی مگر حساس بہت تھی، اس نے آگے بڑھ کر پیار سے چادر اوڑھا دی۔

"بابا... آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے... آپ آرام کریں... میں ابھی وہ شال لے کر آتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ اس کا بابا کچھ کہتا، وہ انتہائی تیزی سے جھونپڑے سے نکل گئی۔

بچی کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ تو اپنے بچپن میں قبرستان کی طرف جانے کے تصور سے بھی ڈر جایا کرتی تھی، کیونکہ قبرستان اس کے بابا کی کام کی جگہ تھی۔ وہ قبرستان اور اس کی تاریکی سے نہیں ڈرتی تھی۔ جب وہ قبرستان کے قریب پہنچی تو ہمیں رہی جتنی چاند گہرے بادلوں میں چھپ گیا اور گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ قبرستان میں بہت سے درخت تھے اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔

ہوائیں درخت کے پتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیٹی بجا رہی تھیں جس سے عجیب سائیں سائیں کی آواز پیدا ہونے لگی تھی۔

بچی پہلی ہی تو تھی — ڈر جانا چاہیے تھا مگر وہ بے خوفی سے قبرستان میں داخل ہو گئی۔ بدقسمتی سے اندھیرے کی وجہ سے وہ قبروں کے درمیان سے چلتے ہوئے راستہ بھٹک گئی اور بھول گئی کہ اس کی سمت کہاں ہونی چاہیے تھی۔ قبرستان بہت بڑا تھا، وہ تھک کر کہیں نکل گئی مگر چلتے ہوئے وہ احتیاط کر رہی تھی کہ کسی قبر پر پاؤں نہ دھرے، وہ قبروں کی بے حرمتی سے بہت ڈرتی تھی۔

کچھ دیر تک اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد آخرکار اسے وہ درخت نظر آ ہی گیا جس کے تنے کے ساتھ اس کے بابا کی شال رکھی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں بھی بابا کی شال کی اجلی رنگت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ شال اٹھانے کے لیے تیزی سے درخت کی طرف لپکی اور

بدقسمتی سے وہ ایک پرانی، دھنسی ہوئی قبر میں جا گری۔ بارشوں کی وجہ سے اکثر پرانی قبریں زمین میں دھنس جاتی تھیں۔ ان پر لگے ہوئے پتھر ٹوٹ جاتے تھے، وہ ایسی ہی کوئی قبر تھی جس میں وہ پیر کے بل گر گئی۔

اس کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی، مگر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور قبر سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ قبر خاصی گہری تھی اور اس میں سے نکلنا آسان نہیں تھا اور پھر اسے ایک خوف ناک احساس ہوا، ایسے لگا کوئی چیز اس کی پشت پر سوار ہو گئی ہے۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اگلے ہی لمحے ایک سرسراتی ہوئی سرگوشی نما آواز اس کے کان کے بالکل قریب سنائی دی۔

"آئے تم ہی بچی... میں بہت کب سے انتظار کر رہا تھا کہ کوئی اس قبر میں گرے اور میری مشکل آسان ہو۔ اب تم خوش قسمتی سے اس میں آ گری ہو تو اب تم مجھے یہاں سے نکال کر قریب کی آبادی میں لے کر چلو، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ شدید بھوک سے تڑپ رہا ہوں میں... اور شدید پیاس سے میری حالت خراب ہے۔"

بچی شاکڈ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اتنی تیزی سے کہ جیسے اب یا تب میں سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔ ایک لمحے میں وہ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ وہ کچھ کہہ بھی

کہ وہ چیز اس کی پشت پر سوار ہو چکی ہے ـــ وہ وہی مخلوق تھی۔ اسے اس مخلوق کی نوکیلی انگلیاں اپنے بازوؤں اور گردن سے چپکی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

اس نے گردن کی طرف دیکھا مگر وہ مخلوق دکھائی نہیں دے رہی تھی ـــ وہ کوئی آسیب تھا جو اس کی پشت پر سوار ہو گیا تھا۔ اس نے ممی کے بالوں کو ایک ہاتھ سے پکڑ لیا تھا اور ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ وہ محسوس تو ہو رہا تھا مگر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا وزن بھی کچھ خاص نہیں تھا مگر وہ تھا ـــ اس کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹانگوں کی قینچیاں سی اس کے پیٹ کے گرد جکڑی تھیں ـــ بالکل ایسے جیسے کسی بچے کو پیٹ پر اٹھا جائے تو وہ اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے جکڑ لیتا ہے۔

ممی شاکڈ بری طرح بے بس ہو گئی تھی۔ وہ بھرے قبرستان میں اکیلی تھی۔ کوئی اس کا مددگار نہیں تھا جو اسے اس مصیبت سے بچاتا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اگر اس نے اس مردہ اماں کے کہے پر عمل نہیں کیا تو وہ اس کی جان لے لے گی۔ اسے [illegible] نہیں چھوڑے گی۔

اس نے قبر سے نکلنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے قبر کے کنارے تک پہنچی۔ قبر کے کنارے پر قریب میں ہی گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ مارا تو مضبوط گھاس اس کے ہاتھ میں آگئی اور وہ اسے تھام کر قبر سے باہر نکل آئی۔

اسے اب اپنی پشت پر اس کی موجودگی کے احساس کے ساتھ ساتھ اس کا وزن بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ قبر سے نکلتے ہی وہ مخلوق کچھ وزنی ہو گئی تھی۔ اس کا وزن وہ اپنی پیٹھ اور کاندھوں پر محسوس کر رہی تھی۔

باہر نکلتے ہی وہ جھک کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ بہت بری طرح تھک گئی تھی۔ ایک بھاری وجود پیٹھ پر لاد کر قبر سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ یوں ہی بیٹھی اپنی سانس بحال کرتی رہی۔ اسی وقت اس کے کان میں وہی ڈرا دینے والی سرگوشی سنائی دی۔

"چلو اب اٹھ جاؤ ـــ مجھے آبادی میں لے کر چلو ـــ میں تمہاری پشت پر اسی طرح سوار رہوں گا ـــ مجھے یوں ہی اپنے ساتھ لے کے چلو ـــ چلو اٹھو ـــ جلدی کرو ـــ میں بہت بھوکا ہوں ـــ بہت پیاسا ہوں ـــ جلدی کرو۔"

ممی بڑی مشکل سے کھڑی ہوئی۔ اب اس پر لدا بھاری وزن پہلے سے بھی بھاری ہو گیا تھا۔ وہ اس وزن کو پشت پر لادے ہوئے بڑی مشکل سے آبادی کی طرف چلنے لگی۔ وزن کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں مگر اس کو چلنا تھا۔ اس کی پشت پر موت سوار تھی اگر نہ چلتی تو وہ اس کی جان بھی لے سکتی تھی۔

قبرستان سے نکل کر وہ مرکزی سڑک پر آئے تو پہلا گھر دیکھتے ہی اس کے کان میں سرگوشی نما آواز گونجی۔

"مجھے اس گھر میں لے چلو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ بہت پیاسا ہوں۔ اس گھر میں لے چلو۔ یہاں کچھ کھانے اور پینے کو مل جائے گا۔"

ممی اس گھر کے دروازے کی طرف چل دی۔ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا ـــ مگر چلنا تھا۔

گھر ذرا اونچا تھا۔ سامنے ہی کئی زینے بنے تھے۔ اس آبادی کے مکانات تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا تھا۔ ممی بوجھل قدموں سے چڑھنے لگی اور جب وہ بڑی مشکلوں سے دروازے تک پہنچی تو اسی وقت سرگوشی نما آواز نے ذرا گھبرائے ہوئے لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔

"نہیں ـــ نہیں ـــ اس گھر میں نہیں ـــ اس گھر سے دور چلو ـــ یہاں سے ـــ میں جل جاؤں گی۔"

"کیوں ـــ اس گھر میں کیا ہے؟" ممی نے بمشکل پوچھا۔

"اس گھر میں مقدس کتاب کا نور ہے ـــ یہاں مقدس پانی بھی ہے ـــ آب زم زم ہے یہاں ـــ اس گھر میں نہیں ـــ یہاں سے چلو ورنہ میں جل کر خاک ہو جاؤں گا۔"

ممی چاہتی تو یہی تھی مگر اس کو لے جانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ممی بڑی مشکلوں سے سیڑھیوں سے اتری اور دوسرے گھر کی طرف بڑھی اسی طرح جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازے تک پہنچی تو ایک بار پھر اس کے کان میں کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نہیں نہیں ـــ اس گھر میں بھی نہیں ـــ یہاں بھی مقدس کتاب کا ذکر موجود ہے ـــ میں جل کر خاک ہو جاؤں گا ـــ یہاں سے نکلو ـــ دور ہو جاؤ اس گھر سے ـــ"

ممی کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اتنا وزن لاد کر اوپر چڑھنا، سیڑھیاں چڑھنا اور پھر اترنا آسان کام نہیں تھا۔

وہ ایک بار پھر مشکلوں اور کانپتی ٹانگوں سے سیڑھیاں اتر کر

پہنچ آئی۔ اب باقی گھر کافی فاصلے پر تھے۔ وہ سڑک پر چلتی ہوئی ایک اور گھر کی طرف جانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک تیسرے گھر تک پہنچ گئی۔

جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچی تو اس کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔

"ہاں... یہ گھر ٹھیک ہے۔ یہاں نہ مقدس کتب ہے اور نہ ہی مقدس لفظوں کی بازگشت۔ دروازے پر ہاتھ رکھو۔ دروازہ کھل جائے گا۔ مجھے اس گھر میں لے چلو۔ یہاں مجھے کچھ کھانے اور پینے کو مل جائے گا۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے مجھے بہت پیاس لگی ہے۔"

ممی نے اس کے کہنے کے مطابق دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا مگر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو حیرت انگیز طور پر دروازہ کھل گیا۔ ممی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب دروازہ اندر سے بند تھا تو کھل کیسے گیا مگر یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا۔

"مجھے اس گھر کے نعمت خانے میں لے چلو۔ وہاں کھانے کو بہت ہوگا... پینے کو بھی ضرور کچھ ہوگا۔"

گھر میں خاموشی تھی۔ ممی اس کو پشت پر لادے اس گھر کے مختلف حصوں سے گزر کر باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ وہاں کھانے پینے کی چیزیں تلاش کیں۔ مگر وہاں کھانے کو کچھ نہیں تھا... نہ ہی پانی تھا... ایک جگ میں گندہ سا تھوڑا پانی تھا وہ بھی...

ممی کو ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"لعنت ہو ان لوگوں پر... انہوں نے نہ کھانے کے لیے کچھ رکھا ہے... اور نہ پینے کے لیے... اب ایسا کرو... وہ جو سامنے سیڑھیاں اوپر جا رہی ہیں... اس پر چڑھو... شاید اوپر کچھ مل جائے۔"

ممی کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اوپر جائے کیوں کہ وہ اس گھر میں رہنے والوں کو جانتی تھی۔ اس گھر کی چھت پر تین بچے سوتے تھے وہ ان لڑکوں کے ساتھ ہی اسکول جاتی تھی ان کے ساتھ ہی اسکول میں پڑھتی تھی۔

مگر اس کی پشت پر لدی ہوئی مخلوق نے جب اس کی گردن میں اپنی نوکیلی انگلیاں دھنسائیں تو اس کا دم گھٹنے لگا اور وہ مجبوراً سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر پہنچ گئی۔

چاند ابھی تک بادلوں کی اوٹ سے نہیں نکلا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ اوپر تین چارپائیوں پر تینوں بھائی مزے سے گہری نیند سو رہے تھے۔

ان تینوں لڑکوں کو دیکھتے ہی ممی کی پشت پر سوار غیر مرئی مخلوق اس کی پشت سے اتر گئی پھر اگلے ہی لمحے اس نے دیکھا کہ تینوں لڑکوں کی گردنوں سے خون کا فوارہ سا اٹھا۔ ممی کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ وہ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی اس سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ پر قابو پایا تھا۔

غیر مرئی مخلوق نے ان تینوں لڑکوں کا خون پینا شروع کر دیا۔ پہلا خون کا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کی سانس آنی بند ہوگئی۔ دوسرا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا۔ تیسرا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کے جسموں نے تڑپنا بند کر دیا اور ساکت ہو گئے۔

لڑکوں کی چارپائیوں کے پاس ایک خالی جگ رکھا تھا۔ غیر مرئی مخلوق نے ان لڑکوں کے خون سے جگ بھر لیا پھر اگلے ہی لمحے ممی کی پشت پر سوار ہو کر بولا۔

"اب مجھے نعمت خانے میں لے کر چلو... اب میں دعوت اڑاؤں گا..."

ممی گھبرا کے ڈر اور افسوس کے ساتھ اسے لے کر نیچے باورچی خانے میں گئی وہ بہت دکھی ہو رہی تھی۔

غیر مرئی مخلوق ایک سوکھی ڈبل روٹی اٹھا کر جگ میں موجود خون میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگی... کچھ ہی دیر میں جگ خالی ہو گیا۔ اس کے پیندے میں کوئی ایک گھونٹ خون باقی رہ گیا۔ جب وہ پیٹ بھر کر کھا چکا تو اس نے ایک چمچے میں خون بھرا اور ممی سے بولا۔

"اس کو پیو"

"نن... نہیں... میں نہیں پی سکتی..." ممی تڑپ کر بولی۔

اس نے ممی کی گردن اپنے دائیں ہاتھ سے جکڑ لی اور غرا کر بولا۔ "ابھی پیو... ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

ممی کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بڑی مشکل سے چمچہ تھاما اور اسے منہ تک لے گئی۔ وہ مخلوق اس کی طرف سے بے فکر ہو کر ایک بار پھر ڈبل روٹی کا ٹکڑا لے کر جگ میں بچے کچھے خون میں ڈبو کر کھانے لگی۔ اس کا دھیان ممی کی طرف نہیں تھا۔ ممی نے موقع دیکھتے ہی چمچے میں بھرا ہوا خون فرش پر پھینک دیا۔ ڈھا چمچے نے کہا۔

"انہیں جلدی جلدی یہاں سے جانا ہوگا۔ فجر کی اذان ہونے سے پہلے پہلے مجھے اپنی قبر میں واپس پہنچنا ہے۔"
ممی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے وہیں کھڑی رہی۔
کچھ دیر بعد وہ اس گھر سے نکلے تو ایک بار پھر وہ ابا جی کی پشت پر سوار تھی۔ جب گھر سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تو ابا جی نے عجیب انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔
"تمہیں معلوم ہے۔ ان لڑکوں کے زندگی کی طرف لوٹنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔"
"کون سا طریقہ؟" ممی نے بے اختیار پوچھا۔
اگر خون کے قطرے ان کے حلق میں ٹپکائے جاتے تو وہ ایک بار پھر جی سکتے تھے لیکن اب تو سارا خون ختم ہوگیا۔ اب ان کے بچنے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ وہ معصوم موت مرے ہیں۔ کل صبح کی اذان سے پہلے پہلے اگر ان کے حلق میں ان کا خون ٹپکا دیا جاتا تو وہ زندگی کی طرف واپس آسکتے تھے۔"
ممی چپ رہی کچھ نہ بولی مگر اسے ان بچوں کی موت کا شدید دکھ تھا۔ وہ اس کے اسکول کے ساتھی تھے اور وہ ان کی موت کا سبب بن گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس قبرستان کی طرف جا رہے تھے۔
رات مزید گہری ہوگئی تھی اور اندھیرا پوری طرح اپنے پنجے میں لیے ہوئے تھا۔ وہ تھوق ممی کی پشت سے چمٹی اسے عجیب و غریب اور دہشت زدہ کردینے والی کہانیاں سناتی رہی جنہیں سن کر ممی کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔
جب وہ قبرستان کے قریب پہنچے تو اسی وقت چاند نے گہرے بادلوں کی اوٹ سے باہر جھانکنا شروع کردیا تھا اور کچھ کچھ چاندنی پھیلنے لگی۔ قبرستان میں داخل ہوتے وقت مسجدوں سے درود شریف پڑھنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ گویا فجر کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔ وہ قبرستان میں داخل ہو چکے تھے۔ اس کی پشت پر سوار تھوق بری طرح سے گھبرا کر بولی۔
"جلدی کرو۔ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔"
ممی کے لیے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ بہ مشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی اس درخت کی طرف جا رہی تھی جو اب چاندنی میں دکھائی دینے لگا تھا اور وہاں اس کے بابا کی لاش کی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔
جس وقت وہ اس دھنسی ہوئی قبر کے قریب پہنچی اسی وقت مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ساتھ ہی ممی کی پشت پر موجود تھوق ایک چھلانگ لگا کر دھنسی ہوئی قبر میں گھس گئی۔
ممی کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ اس پر سے ایک بھاری بوجھ ختم ہوگیا تھا۔ وہ مصیبت کے شکنجے سے نکل آئی تھی۔ اس نے بھاگ کر اپنے بابا جان کی لاش اٹھائی اور دوڑتے ہوئے قبرستان سے نکل کر اپنے جھونپڑے کی طرف چل دی۔
جب وہ اپنے گھر پہنچی تو اس کے گھر میں سب گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ بھی اس بری طرح تھک چکی تھی کہ اپنی چارپائی پر لیٹتے ہی اسے گہری نیند نے آلیا۔
چند گھنٹوں بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے بابا نے اندر آتے ہوئے کہا۔
"ممی جی۔ جلدی اٹھو۔ یہاں ایک سانحہ پیش آگیا ہے۔ کسی نے رات دو بچوں کی جان لے لی ہے۔"
ممی چونک کر بیٹھ گئی۔ جب اس نے بابا نے دیکھا کہ ممی کے کپڑوں میں مٹی لگی ہوئی ہے اور اس کے بالوں میں بھی مٹی ہے۔ اس کی رنگت زرد تھی۔ آنکھوں کے گرد رات جاگنے کے نشانات میں چھپ گئے تھے۔ چہرے پر گندگی ہو رہی تھی اور ان پر خون کے کچھ چھینٹے بھی دکھائی دے رہے تھے۔
اس کے بابا نے چونک کر پوچھا۔ "ممی بیٹا! تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟"
ممی کوئی جواب نہ دے سکی اور تیزی سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی جھونپڑی سے نکل گئی۔ بھاگتے ہوئے ان لڑکوں کے گھر کی طرف جانے لگی جہاں رات اس تھوق نے اس کی مدد سے بچوں کی جان لی تھی۔
جب وہ ان بچوں کے گھر کے قریب پہنچی تو دیکھا گھر کے باہر لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ محلے کے لوگ ان لڑکوں کے والدین سے تعزیت کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔
ممی نے چلا کر کہا "خدا کے لیے مجھے اندر جانے دیں۔ مجھے راستہ دیں۔ مجھے اندر جانا ہے۔"
"نہیں بیٹا۔ تم اندر نہیں جاسکتیں۔ اندر کا منظر بہت بھیانک ہے۔ خون بکھرا ہوا ہے۔ تم جیسی بچی کے لیے یہ منظر ٹھیک نہیں ہے۔"
ممی نے چلا کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے اندر جانے دو۔ یہ

ہو کے مرے نہیں ہیں ۔۔۔ عارضی موت کا شکار ہیں ۔۔۔ میں ان کی زندگی بچا سکتی ہوں ابھی۔"

سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ عجیب باتیں کر رہی تھی وہ۔ ممی نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ۔۔۔ خدا کے لیے مجھے اندر جانے دیں ۔۔۔ میں ان کی زندگی بچا سکتی ہوں۔"

"تم ۔۔۔ کیسے بچا سکتی ہو ان کی زندگی ۔۔۔؟" کسی لڑکے کے منہ سے نکلا۔

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے مجھے اندر جانے دیں۔ میں اکیلی اندر جاؤں گی اور ان تینوں لڑکوں کی زندگی بچا لوں گی۔"

سب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کسی کو بھی اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر ان لڑکوں کا باپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا جانے کیوں اسے اس کی بات پر یقین آ گیا۔ اس نے جلدی جلدی کمرہ خالی کرایا اور ممی سے کہا۔ "جاؤ۔"

ممی بھاگتی ہوئی اندر گئی اور سیدھی باورچی خانے میں جا کر اس نے فرش پر دیکھا۔ ان تینوں بچوں کا دودھ ابھی تک فرش پر پڑا تھا جو اس نے غصے کی نظر بچا کر پھینک دیا تھا۔ وہ اگرچہ کچھ جم چکا تھا مگر جب ممی نے قریب سے اس خون کو اٹھایا تو اس میں تیرتا ہوا کچھ کچھ خون بھی تھا۔

ڈبے میں وہ خون لے کر ممی تیزی سے دوڑتی ہوئی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچی اور دیکھا کہ تینوں لڑکے ابھی تک اسی طرح اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے گلے [illegible] ہوئے تھے۔

وہ ان پر جھک گئی۔ آہستگی سے ان کے منہ کھولے اور ایک ایک قطرہ خون ان کے حلق میں ٹپکا دیا۔

جوں ہی پہلا قطرہ ان کے حلق میں گیا، تینوں لڑکے سانس لینے لگے۔ ممی نے ایک ایک قطرہ باری باری تینوں کے حلق میں ٹپکا دیا۔ دوسرا قطرہ حلق میں جاتے ہی ان کے دل دھڑکنے لگے۔ اور جوں ہی اس نے تیسرا قطرہ ان تینوں کے حلق میں ڈالا تینوں لڑکوں نے ایک ایک چھینک ماری اور وہ عارضی اور مصنوعی موت سے زندگی کی طرف لوٹ آئے۔

انہیں ہوش میں آتا دیکھ کر ممی خوشی سے جھوم اٹھی۔ وہ جلدی سے نیچے آئی تو ان لڑکوں کا باپ ممی کے قریب آیا اور بولا۔

"ممی بیٹی ۔۔۔ تم نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے ۔۔۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتا ۔۔۔ بولو میں تمہارے لیے کیا کروں ۔۔۔ کس طرح تمہارے احسان کا بدلہ دوں ۔۔۔" تب ممی نے کہا۔

"اس قبرستان میں ایک مخلوق ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے ۔۔۔ اور وہ یہ ۔۔۔ کہ سب لوگ مل کر بلند آواز میں قرآن پڑھا کریں اور مقدس پانی ضرور رکھا کریں۔"

"مقدس پانی ۔۔۔؟" سب نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں مقدس پانی ۔۔۔ یعنی آب زم زم جیسے ۔۔۔ آب زم زم کی موجودگی میں ۔۔۔ گھر میں کوئی غیر مرئی مخلوق داخل نہیں ہو سکتی۔ [illegible]" اس کے بعد ممی نے سارا واقعہ سب کو سنایا۔ سب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر سب نے اس کو چوما۔ اس بہادر بچی نے اتنی چھوٹی سی عمر میں ایک شاندار کارنامہ سر انجام دیا تھا۔ ☆☆☆

ہم چھینکتے کیوں ہیں؟

جب ہم چھینکتے ہیں تو [illegible] ناک میں سوزش ہوتی ہے۔

[illegible]

[illegible] محسوس کرتے ہیں۔

کھوج لگائیے!

درست کھوج لگانے والوں کو 500 روپے کے انعامات دیے جائیں گے

آپ ایک بہت کامیاب جرنیل تھے۔ آپ نے اکثر غزوات میں حصہ لیا، خاص طور پر غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں آپ نے اپنی بہادری اور شجاعت سے کافی شہرت حاصل کی۔ ایک جنگ میں آپ نے اسلامی لشکر کی قیادت کی۔ آپ نے قادسیہ کے مقام پر قیام کیا۔ امیر المومنین کی ہدایت پر ایک وفد شہنشاہ ایران کے پاس بھیجا جس میں آپ نے ایک پیغام بھیجا کہ "تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہم تم بھائی بھائی ہو جائیں گے یا جزیہ قبول کرو ورنہ پھر جنگ لازمی ہوگی۔"

جواب میں شہنشاہ ایران یہ پیغام پا کر آگ بگولا ہو گیا اس نے جواب دیا کہ "رستم آ رہا ہے وہ تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔" شہنشاہ ایران کو یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمان کتنے بہادر اور جری سپاہی ہیں۔ وہ شہید ہونا جانتے ہیں، وہ جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ جب اس جنگ میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو آپ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ خوب لڑے اور ایرانی فوج کے چھکے چھڑا دیے۔ ایرانی خوف زدہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

یعنی آپ نے جس جنگ میں بھی حصہ لیا اس میں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ کوفہ کا شہر آپ نے آباد کیا۔ آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو مردِ صالح کا لقب عطا کیا تھا۔ آپ نے سترہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ بہت بلند پایہ، نیک اور پارسا تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے ان جانباز سپاہیوں کے اسوہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بتائیے کہ ان صحابی کا نام مبارک کیا ہے؟

دسمبر 2017ء کے کھوج لگائیے کا جواب یہ ہے کہ ہیلی کاپٹر کی ٹانگوں کے حرکت کرنے سے کریم میں نصب کیمرے کے ڈھیلے ہو گئے اور ہیلی کاپٹر ان کے پاس دور رہتی سے باہر نکلا۔

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

1- [illegible] خان، [illegible]	4- سلمیٰ [illegible]، میرپور آزاد کشمیر	5- [illegible] احمد، راولپنڈی
2- [illegible] رمضان، [illegible]	3- محمد [illegible]، [illegible]	

کام یابی کے اصول (2)

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی ذات کو پہچانیں۔ اپنی زندگی کا مقصد واضح کیجیے۔ طے کر لیجیے کہ آپ کو زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی اہمیت ہے۔ سوچیے یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ حقیقت میں کون ہیں اور آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خاص صلاحیت، قابلیت اور اہلیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اسے دریافت کرنا آپ کا فرض ہے۔ اگر کوئی دوسرا ڈاکٹر یا انجینئر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بھی ڈاکٹر یا انجینئر بن سکتے ہوں۔ ہر پیشہ ہر کام کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔

اپنی صلاحیت کو پہچانو، اپنی صلاحیتوں پر بھروسا کرو تو زندگی میں تمہاری کامیابی یقینی ہے۔ (علامہ اقبال)

اب دوسرا سوال کہ آپ کا مقصدِ زندگی کیا ہے، اس سوال کو بیشتر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تنہائی میں پُرسکون ہو کر چند سوالات اپنے سامنے رکھیں۔

- ☆ اصل میں، میں کون ہوں؟ میری خواہشات کیا ہیں؟
- ☆ میری طاقت ور پہلو اور اقدار کیا ہیں؟
- ☆ میری خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟
- ☆ کیا مجھے مقبولیت، عزت، دولت، تحفظ یا محبت چاہیے؟
- ☆ کیا میں کامیابی، دولت، شہرت، آزادی، خاندان یا صحت کو اہم سمجھتا ہوں؟
- ☆ کون سی چیز کس صورت میں مجھے زیادہ ترغیب دیتی ہے؟

زندگی میں منفرد مقام حاصل کرنے کے لیے اپنا مقصدِ حیات جان لیجیے۔ دوسروں کی کامیاب زندگی کو دیکھ کر اس کی نقل نہ کریں۔ جب آپ کسی اور جیسے بننے کی کوشش کریں گے تو ہرگز کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ ایک تحقیق کے مطابق 83 فی صد لوگ اپنی زندگی میں کیے گئے فیصلوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے فیصلوں کی بنیاد ان کی ذاتی ترجیحات نہیں تھیں، بلکہ دوسرے لوگوں کا دباؤ تھا۔

کھوج لگایئے

حل کے ساتھ کوپن لگانا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2018ء ہے۔

نام ____________

شہر ____________

مکمل پتا ____________

____________ موبائل نمبر ____________

دماغ لڑاؤ

حل کے ساتھ کوپن لگانا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2018ء ہے۔

نام ____________

مقام ____________

مکمل پتا ____________

____________ موبائل نمبر ____________

ہونہار مصور

تصویر کا عنوان "ہونہار مصور" لکھنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2018ء ہے۔

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا ____________

____________ موبائل نمبر ____________

میری زندگی کے مقاصد

[illegible]

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

____________ موبائل نمبر ____________



آگ جلتے ہی بستی والے جیسے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اس کا ایک حصہ علیحدہ ہو کر دور جا گرا۔ یہ تماشا دیکھ کر ان جنگلیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیان سے باہر۔ وہ پہلے ہی بہت ڈر کر مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مجھے بڑا زبردست جادوگر سمجھ کر میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر سلام کیا۔ ان جنگلیوں سے بچ کر مجھے کام لینا تھا اور ان کی ہمت بڑھانی ضروری تھی، اس لیے میں نے کچھ اور "کارنامے" بھی دکھائے۔ آسمان پر بگلوں کی ایک قطار اڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے رائفل کی نالی اٹھائی اور دو فائر کیے۔ چشم زدن میں دو بگلے پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر آن گرے۔ اب تو ان لوگوں کے خوف کی انتہا نہ رہی۔ سب کے سب زمین پر گر پڑے اور میرے قدموں میں لوٹنے لگے۔

بستی کے کئی آدمیوں کا ایک وقت میں دردناک انجام ہونا معمولی بات نہ تھی۔ ہر شخص غم و اندوہ اور غصے کی تصویر بنا ہوا تھا۔ رات کے وقت ہر گھر سے عورتوں اور مردوں کے رونے کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں ایسی لرزہ خیز اور دردناک تھیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دور کسی ویرانے میں بہت سی بدروحیں بین کر رہی ہیں۔ جادوگر تمام رات آگ کے الاؤ پر طرح طرح کے منتر پڑھتا اور اچھل کود کرتا رہا۔ اس شخص کا حلیہ بڑا عجیب اور پراسرار تھا۔ سرتاپا سیاہ چمکدار جسم، جیسے کوئی دیو ہو۔ لمبا قد، بڑی آنکھیں، گلے میں ہڈیوں کی مالا، سر کے بال عورتوں کی طرح گندھے ہوئے اور چہرے پر رنگوں سے طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے۔ بڑی بھیانک شکل تھی۔ جب وہ جوش میں آ کر اپنے سفید دانت نکالتا تو میری ریڑھ کی ہڈی سرد ہو جاتی۔

بستی کے لوگ بہت سے آدمی خاموشی سے اپنے جادوگر کی طرف ٹکٹکی باندھے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ جادوگر نے واقعی ان پر سحر کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جادوگر ان لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جنگل کی طرف سے شیر کی گرج سنائی دی۔ میں چونکا ہوشیار ہو گیا اور رائفل مضبوطی سے تھام لی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ شیر کی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اسی طرف آ رہا ہے۔ جادوگر اور تیزی سے اچھلنے کودنے لگا۔ اب وہ اونچی آواز سے منتر پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان شیر جھاڑیوں میں سے برآمد ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا جادوگر سے اس طرف کے فاصلے پر آن کر رک گیا۔ شیر کی چال دیکھ کر مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے اپنے ساتھ

رہی ہے۔ اس کی چمک اور زندہ آنکھوں سے حیرت اور خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس میں شیر جیسی کوئی خونخواری اور وحشت بھی نہ تھی۔ اس وقت وہ ایک معصوم بچہ یا ہرنی کی مانند نظر آ رہا تھا۔

میں دم بخود کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا زندگی کا سب سے حیرت انگیز تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں نہ تھی کہ سائنس کے اس دور میں جب کہ انسان خلا کو تسخیر کر رہا ہے، بنگال کے گھنے جنگلوں میں ایسے جادوگر موجود ہیں جو جانوروں کو اس حد تک وحشیوں کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ [illegible] بھی جادوگر کی کرامت تھی۔ جادوگر نے دہکتی آگ کے بیچ سے [illegible] ایک لمبی سی سلاخ نکالی۔ سلاخ آگ میں تپ کر سرخ ہو رہی تھی۔ جادوگر شیر کی طرف بڑھا۔ میرا دل دہشت سے بیٹھنے لگا تھا۔ دل کی دھڑکن گویا بند ہونے والی تھی۔ شیر بے حس اور بے جان کی تصویر بنا وہیں کھڑا تھا۔ جادوگر قریب آئے [illegible] اور کچھ ایسا انداز اختیار کیا جیسے اس پر حملہ کرنے والے ہیں۔ دوسرے ہی لمحے جادوگر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اب میں نے دیکھا کہ جادوگر کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سلاخ اس کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ دیا گیا ہاتھ سے اس نے شیر کی گردن پکڑ لی اور پھر گرم گرم سلاخ چند لمحوں کے اندر اندر شیر کی آنکھوں میں گھونپ دی۔ فضا کی چیخ [illegible] شیر کی ہولناک چیخ گونجی۔ اس کا تڑپنا، لوگوں کا دہشت سے چلانا ایک عجیب منظر تھا۔ شیر وہاں سے بھاگا، فوراً جنگل میں بھاگ گیا۔ اب وہ بالکل اندھا ہو چکا تھا۔ سب لوگ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے زور زور سے جاپ کر رہے تھے۔ جادوگر بھی منتر پڑھ رہا تھا۔ جادوگر کا رعب سب پر غالب آ گیا۔ میں بھی گھٹنوں کے بل جھک کر چپ چاپ بیٹھا تھا۔ شیر کے جانے کے بعد دیر تک جادوگر منتر پڑھتا رہا اور جب صبح کے آثار ظاہر ہونے تو سب لوگ اپنی اپنی جھونپڑیوں کی طرف چلے گئے۔

اس تماشے کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اب میں بھی جادوگر کا قائل ہو چکا تھا۔ اس قسم کے شعبدوں کے سامنے ہماری سائنس کی کیا حیثیت تھی اور حیران کن بات یہ کہ کئی دن تک دہقانوں کے بارے میں کوئی خبر سننے میں نہ آئی اور نہ کسی نے اس اندھے شیر کو جنگل میں پھرتے دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر کو اندھا کرنے سے

بیٹی دہقانوں نے حیرت پکڑ لی ہے اور وہ ٹھکانہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔ جادوگر نے لوگوں سے کہا تھا کہ اگر اب کوئی واردات ہوئی تو وہ دوسرے شیر کو بلا کر اندھا کر دے گا۔

لوگ نڈر ہو کر جنگلوں میں آنے جانے لگے اور رفتہ رفتہ بستیوں میں وہی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ اس دوران میں جادوگر کو لوگوں نے خوش کر دیا۔ اس کے گھر کے آگے غلے، کپڑے اور برتنوں کا انبار لگ گیا۔ جادوگر نے بعد میں یہی چیزیں گاؤں کے غریب لوگوں میں تقسیم کر دیں جو بہت نادار اور مفلس تھے۔ اس جادوگر سے میں بھی متاثر ہوا۔ مجھے افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ شکار کے ہاتھ سے نکل جانے کا موقع ملا تھا۔ بہرحال میں روز جنگل میں جاتا اور اندھے شیر کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا لیکن وہ کہیں غائب ہو گیا۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ ایک جھونپڑی میں سے کوئی عورت نکلی اور کسی کام سے دوسری بستی کی طرف چل پڑی۔ اسے زیادہ دور نہیں جانا تھا۔ راستہ جنگل میں سے گزرتا تھا۔ ابھی اس نے مشکل ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک درخت کے پیچھے سے کوئی جانور چھپا اور عورت کو دبوچ لیا۔ وہ اس کی چیخ بھی نہ سن سکا۔ عورت نے جان بچانے کی کوشش کی اور بستی والوں کو مدد کے لیے پکارا لیکن بروقت کوئی آدمی وہاں نہ گیا۔ البتہ بہت سے لوگوں نے عورت کی چیخیں سنیں جو رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی ان کے کانوں تک پہنچ گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد چند آدمی ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں لیے وہاں پہنچے تو انہوں نے عورت کے کچھ ہڈیوں کی بوٹیاں ادھر ادھر جھاڑیوں میں الجھی ہوئی پائیں۔ کچھ فاصلے پر خون بھی بکھرا ہوا تھا لیکن لاش کا کہیں پتا نہ تھا۔

اگلے روز صبح سویرے بستی کے بہت سے آدمی جنگل میں لاش ڈھونڈنے نکلے لیکن انہیں جلد معلوم ہو گیا کہ لاش کا ملنا دشوار ہے۔ وہ شکار تھا کہ عورت کو درندے نے ہلاک کیا ہے اور اب وہ اسے کسی جگہ گھسیٹ کر لے گیا تھا جہاں گھنا اور نہایت گھنی خاردار جھاڑیاں کثرت سے تھیں۔ ان جھاڑیوں کے اندر گھسنا آسان نہ تھا اس کی بات نہ تھی۔ ہم ان لوگوں نے تین گھنٹے کے بعد کلہاڑیوں اور لمبے لمبے چاقوؤں کی مدد سے انہیں کاٹ کر راستہ بنایا اور

آخرکار واش پانچے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ایک طرف پڑا تھا، اس کا آدھا حصہ درندہ ہڑپ کر چکا تھا۔ ابھی یہ لوگ بقیہ حصہ کپڑے میں باندھ ہی رہے تھے کہ دور کہیں گوشے سے شیر کے غرانے کی آواز آئی۔ آدم خور کی آواز سنتے ہی یہ سب لوگ الٹے پاؤں گاؤں میں آ گئے اور جادوگر کو سارا قصہ سنایا۔ اس نے کیا جواب دیا، یہ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ شاید اس کا جادو وہاں زیادہ کارگر نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ آدم خوروں نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں اور وہ بستیوں کے اندر اندر بارہ افراد ان کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ ایک رات بھر جادوگر نے علاوہ روشن پالیسہ منتر پڑھے لیکن ساری رات گزر گئی کوئی درندہ نہ آیا۔ صبح کے وقت جب گاؤں والے اٹھے تو دیکھا کہ وہ جادوگر بھی غائب تھا۔ قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر اور شیرنی اسے پاؤں کے اور جادوگر پر آن جھپٹے۔ اس سے پہلے کہ لوگوں کو کچھ پتا چلے دونوں درندوں نے جادوگر کو وہیں چیر پھاڑ کر برابر کر دیا اور اس کا آدھا حصہ منہ میں دبا کر جدھر سے آئے تھے ادھر چلے گئے۔ جادوگر کے مارے جانے کے بعد گاؤں والے بہت پست ہمت ہو گئے اور انہوں نے وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا۔ اس گاؤں سے کئی میل دور مشرق کی طرف ایک دریا بہتا تھا۔ ان لوگوں نے جن کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی، دریا عبور کیا اور ایک دوسری بستی میں ڈیرے ڈال کر جھونپڑیاں بنا لیں۔ پرانی آبادی میں اب بھی ایک دو سو افراد لوگ باقی تھے جن میں زیادہ تر عمر رسیدہ، بیمار اور معذور شامل تھے جو چل پھر نہیں سکتے تھے۔

روزانہ رات کو پانچوں آدم خور اکٹھے شیر ہمت بستی پر حملہ کرتے۔ کسی نہ کسی جھونپڑی کو توڑ کر اس میں گھس جاتے اور اپنا شکار پکڑ کر وہیں کھانا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ میں نے ان کے اس بستی پر رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ بستی میں کوئی آدمی نہ رہتا تھا، میں نے ایک مضبوط اور گھنے درخت کی شاخ پر سر شام ہی اپنا مچان بنا لیا۔ مجھے یقین تھا کہ درندے معمول کے مطابق ادھر ضرور آئیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ انہوں نے مغرب کی طرف پانچ میل دور ایک دوسری بستی پر دھاوا بول دیا۔ پہلے مویشیوں پر حملہ کر کے تین چار کو مارا، پھر آدمیوں کی باری آئی۔ مجھے اگلے روز وہاں کے ایک باشندے نے بتایا:

"ان کی تعداد پانچ تھی۔ وہ سورج چھپنے سے تھوڑی ہی دیر بعد گاؤں کی طرف آئے۔ وہاں مویشیوں کا باڑا تھا۔ انہوں نے پہلے چاروں طرف چکر لگایا۔ درندوں کو دیکھ کر چوپایوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ وہ باڑا توڑ کر باہر بھاگے اور درندوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں بستی سے دس بارہ آدمی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں دو شیر اور دو شیرنیاں تھیں۔ علاوہ پانچواں شیر ابھی تک سب سے پیچھے تھا۔ درندوں نے ہمیں آتے دیکھ لیا تو ہم پر جھپٹنے کے بجائے ہماری طرف آئے۔ لیکن ہم درختوں پر چڑھ گئے۔ البتہ دو آدمی ان کے قابو میں آ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے درندوں نے انہیں چیر پھاڑ ڈالا اور پھر بڑے اطمینان سے جنگل کی طرف چلے گئے۔"

ان خوفناک حالات میں پانچ آدم خوروں کا مقابلہ کرنا اکیلے کے بس کی بات نہ تھی۔ میں نے اپنے بھائی جوزف کو مدد کے لیے بلایا جو ان دنوں مانگا میں رہتا تھا۔ جوزف کے آنے سے پہلے میں نے چاہا کہ کسی ایسے مقامی شکاری کی خدمات بھی حاصل کروں۔ چامو لمبا تڑنگا نوجوان آپ اور ماہر شکاری تھا۔ شیر سے ساتھ ہمت و جرات جنگ میں وہ ایک بار ریچھ اور ہاتھی سے لڑ چکا تھا لیکن قسمت سے اس کی جان بچ گئی۔ ایک لمبا چوڑا خنجر اس کی کمر میں ہر وقت بندھا رہتا اور اس خنجر سے اس نے نہ جانے کتنے درندے ہلاک کیے تھے۔ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر زخم کا نشان نہ ہو۔ چامو میں ایک خوبی یہ تھی کہ اس نے عمر کا بڑا حصہ جنگلوں میں گزارا تھا۔ اس کا بچپن اور جوانی جنگلوں میں گزری تھی جہاں وہ ایک شخص اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہیں اس نے شکار کے طریقے سیکھے اور جنگلیوں کی زبان سیکھی اور وہ کم از کم کئی زبانیں بول سکتا تھا۔ وہ انگریزی بھی بول سکتا تھا۔ اس نے مجھے بہت سے انگریزی آدم خوروں کی داستانیں سنائیں جن کی وہ طریقے سے رہنمائی کر چکا تھا۔

تیسرے روز جوزف آن پہنچا۔ اس کے ساتھ دو ملازم بھی تھے۔ اس دوران میں آدم خور درجن بھر عورتوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ آدم خور شکار کی تلاش میں رات کے پچھلے پہر آتے۔ گاؤں کی ایک ایک جھونپڑی کا معائنہ کرتے۔ جس کی بھی کوئی جھونپڑی میں ہوتا تو وہ

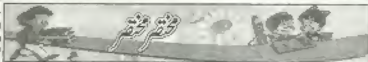


گھاس کے ٹکڑے کھینچے اور روندتے ہوئے نکل جاتے۔ ایک بڑی سی جھونپڑی میں جس کے چاروں طرف سوکھے بانسوں کی دیوار تھی، دونوں عورتیں سو رہی تھیں۔ آدم خوروں نے اس کا ایک چکر لگایا اور ایک جگہ زور لگا کر دیوار توڑ ڈالی۔ اب عورتیں بچ کر کہاں جا سکتی تھیں؟ شیروں نے انہیں دبوچ لیا اور معمول کے مطابق وہیں پیٹ بھر کر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ گئے۔

ہم نے اس جھونپڑی کے باہر پانچوں آدم خوروں کے نشان دیکھے۔ عورتوں کی لوتھڑیاں، بچا کھچا گوشت اور ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ یہ منظر اتنا وحشت انگیز تھا کہ جارج تھر تھر کانپنے لگا لیکن جام چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا، البتہ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی اور دایاں ہاتھ خنجر کے دستے پر مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ ہمیں بہت جلد پتا چل گیا کہ بستی ابھی پوری طرح خالی نہ تھی، بلکہ بہت سے مرد اور عورتیں یہاں موجود تھے۔ غالباً یہ بے چارے دریا تک جانے کی ہمت نہ کر سکے تھے اور یہ جانتے کے باوجود کہ ایک روز آدم خوروں کا لقمہ بن جائیں گے، یہیں رہنے پر مجبور تھے۔ میں نے ان سب کو ایک بڑی سی جھونپڑی میں جمع کر دیا اور سمجھا دیا کہ کوئی شخص شام کے بعد باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ جھونپڑی کے چاروں طرف خشک گھاس اور لکڑیوں کے بڑے بڑے ڈھیر جمع کیے گئے اور سورج غروب ہوتے ہی انہیں آگ لگا دی گئی۔ اب آدم خور یہ آگ پھلانگ کر جھونپڑی کے اندر نہیں جا سکتے تھے۔ ہم نے اپنے لیے یہ انتظام کیا تھا کہ جھونپڑی سے دائیں بائیں پچاس پچاس فٹ کے فاصلے پر دو گڑھے کھدوائے۔ ان گڑھوں کی گہرائی پانچ فٹ اور لمبائی چھ فٹ تھی۔ ان کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں اس انداز میں پھیلا دی گئی تھیں کہ نزدیک سے دیکھنے پر بھی پتا نہ چل سکتا تھا کہ یہاں گڑھا ہوگا۔ دائیں گڑھے میں جارج اور اس کے دونوں ملازم اور بائیں گڑھے میں جام اور میں اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر بیٹھ گئے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ آدم خور آج رات دوبارہ ادھر آئیں گے۔

آگ کا الاؤ دھڑ دھڑ جل رہا تھا اور اس کے شعلوں کی سرخ روشنی میں دور کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ اردگرد کے درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے خاموش تھے البتہ بہت دور سے کسی ریچھ کے چنگھاڑنے کی مدھم آواز کانوں میں آ رہی تھی۔ موئی گاؤں کے مغرب کی جانب ایک اور جنگل پر ریچھوں اور ہاتھیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ایک ہی جنگل میں ریچھوں اور ہاتھیوں کا مل جل کر رہنا بڑی عجیب بات تھی، کیونکہ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی ہاتھی نے ریچھ کو مارا ہو یا کسی ریچھ نے یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور جانے کی کوشش کی ہو۔ جام نے میرے کان میں کہا:

"آدم خوروں کے آنے سے پہلے آپ کو ایک واقعہ سناؤں جو ریچھ کی آواز سن کر مجھے یاد آیا، آپ شاید یقین نہ کریں، لیکن میں جو کچھ بیان کروں گا، اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔ ☆☆☆



حمد

زمین آسماں، چاند سورج ستارے
نظارے حسیں اور منظر یہ پیارے
چمن پھول خوش بو گلابوں کے موسم
یہ دن بارشوں کے سہانوں کے موسم
بہاروں کی خوشی نکھرنے کی ادائیں
پرندوں کے نغمے معطر ہوائیں
رواں دریاؤں کی کھلکھلاہٹ
رتوں کا تبسم حسیں مسکراہٹ
اندھیرے اجالے نباتات اور پھل
یہ دن رات سارے یہ سب آج اور کل
یہ تجھ سے ہیں اصول تجھ سے ملایا
تری رحمتیں ہیں ترا ہم پہ سایہ

([illegible])

توکل

ایک دن حضرت حاتم اصم نے اپنی بیوی سے فرمایا: "میں چار مہینے کے لیے جہاد پر جانا چاہتا ہوں، کس قدر خرچ درکار ہوگا؟" بیوی نے کہا: "جس قدر میری زندگی ہے۔"
حضرت حاتم اصم نے فرمایا: "تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔" بیوی نے کہا: "پھر میری روزی بھی تمہارے ہاتھ میں نہیں۔"
آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ تو سچ کہتی ہے اور آپ جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔

([illegible])

اچھے انسان

علم کا شاہ کار ہو جاؤ
قوم کا افتخار ہو جاؤ
مفلسوں کی کرو مدد ابھی
مخلصوں میں شمار ہو جاؤ
اہل تقویٰ بھی تم پہ رشک کریں
ایسے پرہیزگار ہو جاؤ
اپنی خوئے تقویٰ کرو بیدار
دوسروں پر نہ بار ہو جاؤ
اور اگر تقویٰ نہیں تو کچھ بھی نہیں
دل شرافت شعار ہو جاؤ
فانی دنیا پہ مت فدا ہو تم
ابدیت کے جاں نثار ہو جاؤ
فکر بخشش و حشر سے بچ نکل
یوں سراپا بہار ہو جاؤ
بندۂ نفس مت بنو اے اثر
عبد پروردگار ہو جاؤ

([illegible])

اقوال زریں

☆ قرض لینا آسان اور اسے چکانا مشکل ہے۔
☆ کسی کو برا چاہنے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔
☆ ہر حالت میں انصاف کرو۔
☆ علم ایک ایسا پھل ہے جس سے راحت ملتی ہے۔
☆ ایمان عزت کا دوسرا نام ہے۔
☆ مسکراہٹ دل کے دروازے کھول دیتی ہے۔
☆ غرور سے انسان کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔
☆ کم بولنا عقل مندی ہے۔

([illegible])

مبارک بادیں (نفیس احمد نفیس)

یہ سب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
اس نئے سال نیا تھا جس میں نیا پن کیا ہے
ہر طرف ظلم نے کیوں شور مچا رکھا ہے
وہی دن کی دن، تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر بات وہی

آسماں بدلا ہے ، نہ بدلی ہے زمیں
اک ہندسے کا بدلنا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری ، فروری اور مارچ میں ہو گی سردی
اپریل ، مئی اور جون میں ہو گی گرمی
تیرا من دہر میں کچھ کھونے کو کچھ پانے کو
میعاد اپنی بسر کر کے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح ، نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
یا کسی بھول گئے وقت کی کڑوی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر ، جہاں سے سب کی
فیض نے لکھی ہے ، یہ نظم نرالے ڈھب کی

([illegible])

زم زم کا کنواں

زم زم کا کنواں چار ہزار سال پرانا ہے۔ اس کی ابتدا ایک چشمے سے ہوئی تھی۔ یہ 13 فٹ چوڑا، 110 فٹ گہرا ہے۔ ایک پاور فل الیکٹرک موٹر 8 ہزار فی سیکنڈ کے حساب سے اس میں سے 24 گھنٹے پانی کھینچتی ہے۔ یہ اوان پانی پمپ کرنے کے بعد صرف 11 منٹ میں پانی لیول پر آ جاتا ہے۔ اس پانی کو آج تک کائی نہیں لگی اور نہ ہی اس پانی کا ذائقہ بدلا ہے۔ اس پانی کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ یہ پیاس اور بھوک دونوں کو کفایت کرتا ہے۔

احادیث

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ کھانے کا گرا ہوا ٹکڑا دسترخوان سے اٹھا کر کھانا اولاد میں خوب صورتی، رزق میں برکت اور تنگی ختم کرتا ہے۔
☆ جس برتن کو ڈھکا نہ گیا ہو اس کا پانی نہ پیو۔
☆ رات کا کھانا نہ چھوڑو، چاہے مٹھی بھر کھجور ہی کیوں نہ ہو۔

([illegible])

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

"ایک چور ایک پرہیزگار درویش کے گھر میں جا گھسا، ہر چند تلاش کیا کچھ نہ پایا۔ رنجیدہ ہوا اور مایوس ہو کر واپس جانے کا ارادہ کیا۔ فقیر کو خبر ہو گئی۔ جس کمبل پر وہ سویا ہوا تھا وہ چور کے راستے میں ڈال دی تاکہ محروم نہ ہو جائے۔" اللہ والوں کے دل دشمنوں کے لیے بھی تنگ نہیں ہوتے۔ ([illegible])

حضرت امام حسینؓ کی فراست

حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ کا آپس میں جھگڑا ہو گیا اور ایک دوسرے نے ملاقات میں تامل کیا۔ کسی نے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ اپنے بھائی امام حسنؓ کے پاس جا کر انہیں راضی کریں اور ان کی اچھی دل جوئی کریں کیوں کہ وہ آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ امام حسینؓ نے فرمایا میں نے اپنے جد امجد سرور کائنات ﷺ سے سنا ہے کہ جن دو شخصوں میں مخاصمت ہو اور ان میں سے ایک دوسرے کو راضی کرے تو پہلے راضی کرنے والا جنت میں پہلے جائے گا اور میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی سے پہلے جنت میں جاؤں۔ امام حسنؓ کو یہ خبر ملی تو وہ امام حسینؓ کے پاس تشریف لائے اور ان کو راضی کیا۔ ([illegible])

چند سنہری باتیں

☆ صبح جلد بیدار ہوں۔ ہاتھ منہ اور دانت روزانہ صاف کریں۔
☆ باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کی عادت اپنائیں۔ کچھ وقت تلاوت قرآن میں صرف کریں۔
☆ اپنے سے بڑی عمر کے ہر شخص، والدین اور اساتذہ کا احترام کریں۔
☆ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں۔
☆ اسکول جانے سے پہلے صاف ستھری یونی فارم پہنیں۔ ناشتا کریں اور اپنا اسکول بیگ چیک کریں۔
☆ گھر سے خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوں۔ پیدل چلنا ہو تو ہمیشہ سڑک کے کنارے چلیں۔
☆ سڑک دونوں طرف دیکھ کر احتیاط سے عبور کریں۔
☆ ہمیشہ سچ بولیں کسی کی غیبت نہ کریں۔ ([illegible])

☆☆☆



ایک مدت کا ذکر ہے کہ ایک مالدار شخص اپنے بھائی سے ملنے اس کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا ایک نوکر بھی اس کے ساتھ تھا جو بہت چالاک، مکار اور مفاد پرست تھا۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب سفر کے لیے گاڑیاں میسر نہ تھیں اور لوگ پیدل یا گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ اس شخص کے بھائی کا گاؤں قریب ہی تھا اس لیے وہ پیدل ہی اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔ چلنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی کے لیے تحفے کے طور پر لال لال میٹھے سیبوں کی ایک ٹوکری خریدی اور اسے اپنے نوکر کے سر پر رکھ کر اسے اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ مالک چونکہ اپنے نوکر کی عادتوں سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے اس سے کہنے لگا۔

"یاد رکھنا میرے سر کے پیچھے بھی دو آنکھیں ہیں۔ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ اس لیے ٹوکری سے سیب نکال کر کھانے کی غلطی نہ کرنا۔"

نوکر سیبوں کی ٹوکری سر پر رکھے مالک کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب اس کا جی چاہتا وہ ہاتھ بڑھا کر سر پر رکھی ٹوکری سے ایک سیب نکالتا، اسے اپنے مالک کے سر کے پیچھے یوں لہراتا جیسے کسی کو دکھا رہا ہو، پھر کھا جاتا۔ اس طرح جلد ہی اس لالچی نوکر نے سارے سیب کھا لیے۔

سفر کرتے کرتے تھک کر وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ بعد میں مالک کو علم ہوا کہ سیبوں کی ساری ٹوکری خالی ہو چکی ہے۔ یہ دیکھتے ہی وہ غصے میں آ گیا اور نوکر سے کہنے لگا۔

"بے ایمان تم نے سارے سیب کھا لیے میں نے تمھیں منع بھی کیا تھا۔"

"مگر مالک! میں نے یہ سارے سیب آپ کی اجازت سے ہی کھائے ہیں۔" نوکر منمنایا۔

"میں نے تمھیں کب اجازت دی؟" مالک نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ کے سر کے پیچھے بھی آنکھیں ہیں اس لیے میں ہر سیب کھانے سے پہلے ان آنکھوں کو دکھا دیتا تھا۔ اس وقت تو آپ نے منع نہیں کیا۔" چالاک نوکر نے مالک کو لاجواب کر دیا۔

مالک کوئی جواب نہ دے پایا تو کہنے لگا۔ "مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے اس لیے جلدی سے کھانا نکالو اور اسے آگ پر گرم کرو۔"

نوکر نے ادھر ادھر سے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور کھانا گرم کرنے لگا۔ یہ شوربے میں پکی ہوئی مچھلیاں تھیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو مالک ایک چھوٹی سی مچھلی نکال کر نوکر کی تھالی میں

رکتے ہوئے بولا۔ "تو پھر تم کھالو۔"

لالچی نوکر نے مالک کی تھالی کی طرف دیکھا جو مچھلیوں سے بھری پڑی تھی۔ وہ مالک سے پوچھنے لگا۔ "مالک۔۔۔ تھوڑے سے پانی میں مچھلی تیر تو نہیں سکتی نا؟"

"نہیں۔" مالک نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے یہ مچھلی بھی اپنی تھالی میں رکھ لیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی مچھلی بھی مالک کی تھالی میں رکھ دی اور دونوں ہاتھوں سے کھانے لگا۔ مالک کو بہت غصہ آیا اور غصے سے چلایا۔ "ارے بے وقوف یہ تم نے کیا کیا؟"

نوکر کچھ نہ بولا اور کھانا کھاتا رہا۔ ابھی مالک نے تھوڑا ہی کھایا تھا کہ نوکر سارا کھانا چٹ کر گیا۔ مالک منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ نوکر کا تو پیٹ بھرا ہوا تھا مگر مالک بھوکے پیٹ تھا اس لیے اس سے چلنا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ ہمت کر کے چلتا رہا مگر پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سامنے ہی ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے نوکر سے کہنے لگا۔

"اس گاؤں میں ضرور کوئی ہوٹل ہوگا۔ بھاگ کر جاؤ اور وہاں سے میرے کھانے کے لیے کچھ لے آؤ تاکہ میں کھا پی کر دوبارہ سفر کر سکوں۔"

نوکر گیا اور گاؤں کے ہوٹل سے کھانا لیا اور واپس آ گیا مگر اس نے اس کھانے میں بہت زیادہ مرچیں ملا دیں۔ جب مالک نے پہلا نوالہ منہ میں رکھا تو تیز مرچوں کی وجہ سے اس کا منہ جل گیا۔ وہ نوکر کو برا بھلا کہنے لگا مگر پھر ہمت کر کے جیسے تیسے کھا لیا کیوں کہ اسے تیز بھوک لگ رہی تھی۔ مگر اب وہ نوکر کو اس کی چالاکی کا مزہ چکھانا چاہتا تھا۔

جلد ہی مالک کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس گاؤں سے گاؤں کے ساتھ ہی آگے تھوڑے ایک بڑا گاؤں تھا جہاں کا چوہدری مالک کا پرانا دوست تھا۔ اس لیے اس نے گاؤں کے چوہدری کے نام ایک رقعہ لکھا کہ جو شخص یہ رقعہ لے کر آئے اس کی اچھی مرمت کرو اور اتنا مارو کہ یہ ساری چالاکی بھول جائے۔ پھر یہ کاغذ تہہ کر کے نوکر کے حوالے کیا اور بولا۔ "اس گاؤں کا چوہدری میرا دوست ہے تم یہ رقعہ اس تک پہنچا دو اور وہ جو کچھ دے وہ لے کر میرے پاس واپس آ جانا۔"

مالک کا خیال تھا کہ لالچی نوکر پیٹ کے لالچ میں ہر کام کرنے کو۔ نوکر رقعہ لے کر چوہدری کی حویلی کی جانب چل پڑا چونکہ وہ ان پڑھ تھا اس لیے اسے معلوم نہیں تھا کہ اس رقعے میں کیا لکھا ہے مگر وہ چالاک بہت تھا۔ راستے میں اسے ایک لڑکا آتا نظر آیا تو اس نے اسے روک لیا اور کہنے لگا۔

"بھائی ذرا یہ رقعہ پڑھ کر بتاؤ اس میں کیا لکھا ہے؟" لڑکے نے رقعہ پڑھا اور نوکر کو سب بتا دیا کہ رقعے میں کیا لکھا ہے۔

یہ بات سنتے ہی نوکر کے ہاتھوں کے تو طوطے اڑ گئے اور وہ لڑکے کی منت سماجت کرنے لگا۔ "میرے بھائی میں جلدی میں غلط رقعہ لے آیا ہوں۔ اب اتنا وقت نہیں کہ واپس جا کر درست رقعہ لے کر آؤں اس لیے تم جلدی سے مجھے دوسرا رقعہ لکھ دو۔ تمہارا بہت بھلا ہوگا۔"

اس کے رونے پیٹنے پر لڑکا پسیج گیا اور اس نے نوکر کے کہنے کے مطابق ایک نیا رقعہ لکھ دیا۔ رقعہ لے کر وہ چوہدری کے پاس پہنچ گیا۔ چوہدری نے رقعہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا کہ جو یہ رقعہ لے کر آئے اسے سونے کی اشرفیوں سے بھری دس تھیلیاں دے دو میں کچھ عرصے بعد واپس کر دوں گا۔ چوہدری یہ پڑھ کر حیران تو ہوا مگر پھر اس نے یہ ساری رقم نوکر کے حوالے کر دی۔ تھیلے لے کر وہ نوکر وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

جب کافی دیر ہو گئی تو مالک نے سوچا اب تو نوکر کی خوب مرمت ہو چکی ہوگی اور اسے اپنی چالاکی کا اچھا سبق مل چکا ہوگا۔ وہ اٹھا اور چوہدری کی حویلی پہنچ گیا اور چوہدری سے پوچھنے لگا۔

"کیا تمہیں میرا رقعہ مل گیا؟"

"ہاں مل گیا تھا اور میں نے اس پر عمل بھی کر دیا۔" چوہدری نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے اس کی خوب مرمت کی۔" مالک نے خوش ہو کر پوچھا۔

"مرمت... کیسی مرمت۔۔۔ میں نے تو اس کو تین ہزار سونے کی اشرفیاں دے دیں۔ جیسا کہ تم نے لکھا تھا۔" چوہدری نے حیران ہو کر جواب دیا۔

مالک حیرت سے اچھل پڑا۔ "میں نے تو نہیں لکھا تھا۔"

چوہدری نے مالک کو اس کا لکھا ہوا رقعہ دکھایا جو نوکر نے راستے میں لڑکے سے لکھوایا تھا۔ اسے دیکھ کر مالک نے اپنا سر پیٹ لیا۔ نوکر ایک دفعہ پھر اپنی چالاکی سے اسے چکمہ دے گیا تھا۔

☆☆☆

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا لقب کیا تھا؟

ا۔ ابن الجبیر ب۔ صاحب الہجرتین ج۔ سلطان الخیر

2۔ [illegible] کس جزیرے کا پرانا نام ہے؟

ا۔ [illegible] ب۔ [illegible] ج۔ [illegible]

3۔ علامہ اقبال کا شعر مکمل کیجیے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

4۔ ابن الہیثم کہاں پیدا ہوئے؟

ا۔ حلب ب۔ بصرہ ج۔ موصل

5۔ وکٹوریہ جھیل کی بلندی کتنی ہے؟

ا۔ 350 فٹ ب۔ 355 فٹ ج۔ 360 فٹ

6۔ ہندوستان میں سب سے پہلے توپ کا استعمال کس بادشاہ نے کیا؟

ا۔ ظہیر الدین بابر ب۔ فیروز شاہ تغلق ج۔ قطب الدین ایبک

7۔ دنیا میں سب سے پہلے ایٹم بم کس شہر پر گرایا گیا؟

ا۔ ناگاساکی ب۔ ہیروشیما ج۔ اوساکا

8۔ کون سا مسلم سائنسدان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور ہندوستان پر ایک کتاب لکھی؟

ا۔ الطبری ب۔ ابوریحان البیرونی ج۔ موسیٰ خوارزمی

9۔ [illegible] کا آغاز کہاں سے ہوا؟

ا۔ امریکہ ب۔ انگلینڈ ج۔ فرانس

10۔ پاکستان کا سب سے قدیم شہر کون سا ہے؟

ا۔ لاہور ب۔ ملتان ج۔ پشاور

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2017ء

1۔ [illegible] 2۔ [illegible] 3۔ [illegible] 4۔ [illegible] 5۔ [illegible] 6۔ [illegible] 7۔ قائداعظم 8۔ 400 ہجری 9۔ [illegible] 10۔ [illegible]

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ [illegible] (150 روپے کی کتب)

☆ محمد فرخ زمان، لاہور (100 روپے کی کتب)

☆ [illegible]، کراچی (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام: [illegible]

ویلوچیا

ویلوٹشیا (Welwitschia) ایک بیج پیدا کرنے والا پودا ہے۔ اس کا تعلق جمنو سپرمز (Gymnosperms) گروپ سے ہے۔ اس پودے کو "Tree Tumbo" بھی پکارا جاتا ہے۔ عربی میں اس پودے کو "حشیشہ" اور فارسی میں "ویلوچیا" کہتے ہیں۔ یہ پودا افریقی ممالک میں ملتا ہے۔ اس کا نام آسٹریا کے ایک ماہر نباتات "Friedrich Welwitsch" کے نام پر رکھا گیا ہے، کیوں کہ سب سے پہلے اس نے 1859ء میں بیان کیا۔ یہ پودا دو بڑے پتوں پر مشتمل ہوتا ہے، جب کہ تنا چھوٹا اور لکڑی کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے۔ نر اور مادہ پودے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس پودے پر کونز (Cones) لگتی ہیں۔ یہ پودا ہزار سال سے زائد عرصے تک زندہ رہتا ہے۔ دیہی گینڈے اور ہرن اسے بطور غذا کھاتے ہیں۔ اس کا پورا نام "Welwitschia Mirabilis" ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عجیب و غریب پودوں میں کیا جاتا ہے۔

جارجیا کا پرچم

مغربی ایشیاء اور مشرقی یورپ کے سنگم پر موجود ملک کا نام جارجیا (Georgia) ہے۔ اس ملک کے مشرقی جانب آذربائیجان، مغرب میں سمندر (بحیرۂ اسود) شمال میں روس اور جنوب میں ترکی اور آرمینیا ہیں۔ روس سے 25 دسمبر 1991ء میں آزاد ہونے والے اس ملک کی سرکاری زبان جارجین ہے۔ اس کا رقبہ 69700 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں کا سکہ لاری کہلاتا ہے۔ اس ملک کے پرچم کو روسی قبضے سے آزادی کے بعد 25 جنوری 2004ء میں باضابطہ طور پر اختیار کیا گیا۔ جارجیا کے قومی پرچم کو "Five Cross Flag" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مستطیل شکل کا سفید رنگ کا جھنڈا ہے، جس پر درمیان میں سرخ رنگ کا کراس (Cross) بنا ہے۔ یہ کراس پورے پرچم پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جھنڈے کے چاروں اطراف میں چھوٹے کراس بنے ہیں۔ یہ بھی سرخ رنگت کے ہیں۔ انہیں Bolnisi کراس کہتے ہیں جو ایک گرجا گھر "Bolnisi Sioni Church" کے ایک پتھر سے لیے گئے ہیں۔ اسی لیے یہ علامت کے طور پر کراس بنے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو مصلوب کرتے وقت 5 مقدس زخم لگے تھے۔ جارجیا کا دارالحکومت تبلیسی (Tbilisi) ہے۔ جہاں پارلیمنٹ پر قومی پرچم لہراتا رہتا ہے۔

شیروانی

شیروانی ایک لباس ہے جسے بانیٔ پاکستان حضرت محمد علی جناح نے اکثر استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر حکمران اور اسمبلی ممبران اس لباس کو پہن کر فخر کرتے ہیں۔ یہ ایک لمبے کوٹ کی طرح ہوتی ہے، جسے شلوار قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان وغیرہ کے علاقوں میں بھی اسے پہنا جاتا ہے۔ اس لباس کی ابتداء 19ویں صدی میں برصغیر سے ہوئی۔ اسے شرفاء اور علماء نے زیب تن کر کے مروج کیا۔ آج کل تقریبات اور شادیوں میں بھی بچے بڑے سبھی شیروانی پہن کر منفرد دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیروانی کی تیاری اور کپڑے کا انتخاب بھی مہارت کا



کام ہے۔ اس کو کاریگر بنتا کہا جاتا ہے۔ اس لباس میں پورے بازو اور 8 سے 12 تک مختلف ڈیزائن اور رنگت کے بٹن استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے کپڑے اور سلائی کے بعد 10 ہزار سے اعلیٰ ترین (2,50,000) روپے تک تقریباً آتی ہے۔ عام شیروانی کے مقابلے میں دولہے کی شیروانی خاص مہنگی اور خوب صورت ہوتی ہے کیوں کہ اس پر کڑھائی کا خصوصی کام بھی کیا جاتا ہے۔ دلیل ہے کہ آذربائیجان کے پاس واقع شروان سے یہ لفظ نکلا ہے۔ شروان درحقیقت نوشیرواں بادشاہ سے لیا گیا ہے۔ اس وقت کے لوگ خاص کر مسلمان شیروانی سے ملتا جلتا لباس زیب تن کرتے تھے۔

ہیمر تھرو

نیزہ بازی، گولہ پھینکنا وغیرہ کی طرح ہیمر تھرو Hammer Throw بھی ایک کھیل ہے۔ جس میں دھاتی (Metal) گولہ جو ایک اسٹیل کی ڈوری سے جڑا ہوتا ہے۔ اس گولے کی زنانہ اور مردانہ مقابلوں میں جسامت مختلف ہوتی ہے۔ اولمپک کھیلوں میں اس کا شمار قدیم ترین ایونٹ میں ہوتا ہے۔ 1900ء میں فرانس کے شہر پیرس (Paris) کے اولمپکس مقابلوں میں بھی یہ کھیل شامل تھا۔ اسٹیل کی ڈوری کو گھما کر مرد حضرات 16 پاؤنڈ (تقریباً



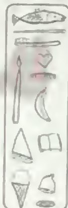
7.26 کلو) جب کہ خواتین 8.82 پاؤنڈ (4 کلو کے لگ بھگ) وزن کا دھاتی گولا دور تک پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مردانہ کھیل میں گولے کا سائز 121.3 سینٹی میٹر جب کہ خواتین کے لیے اس گولے کا سائز 119.4 سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ خواتین میں دور تک گولہ پھینکنے کا ریکارڈ "Anita Wlodarizk" کا ہے جنھوں نے اگست 2016ء میں 82.98 میٹر دور ہیمر تھرو کر کے ورلڈ ریکارڈ بنایا۔ اس خاتون کا تعلق پولینڈ سے ہے۔ جب کہ مردوں میں ورلڈ ریکارڈ روس کے "Yuriy Sedykh" کے پاس ہے جنھوں نے 86.74 میٹر دور تک ہیمر تھرو کیا۔ انھوں نے یہ ریکارڈ 1986ء میں قائم کیا۔ پاکستان میں بھی یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ☆☆☆

رنگ بھریے





یہ چیزیں بڑی تصویر میں چھپی ہوئی ہیں۔
آپ ان کو تلاش کیجیے۔



ہنسیں مسکرائیں

بیٹا! "تم جب اٹھ کر سر پر کیوں رکھ رہے ہو؟" امی نے حیرت سے پوچھا۔

بیٹا: "آج استاد صاحب نے کہا ہے کہ... اپنا دماغ روشن کرو۔"

([illegible])

پوتے نے پوچھا: "دادا جان آج آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں؟" دادا جان نے جواب دیا: "جب میں تمہاری عمر کا تھا تو میں نے تعلیم و تربیت میں ایک کہانی بھیجی تھی جو اب شائع ہوئی ہے۔"

☆

نانی جان (شگفتہ سے): "تم اتنی شرارتیں کرتی ہو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے؟"

شگفتہ: "صرف دو کلو جلیبیاں دے کر کمرے میں بند کر دیں۔"

([illegible])

ایک کلاس ٹیچر نے بچوں کے ذہن کی آزمائش کے لیے پوچھا: "سوچ اور وہم میں کیا فرق ہے؟"

ایک بچے نے کھڑے ہو کر کہا: "آپ جو ہم کو پڑھا رہے ہیں وہ سوچ ہے لیکن ہم سب پڑھ رہے ہیں یہ آپ کا وہم ہے۔"

([illegible])

بچہ: "ابا جان! دریائے نیل کہاں ہے؟"

باپ نے اخبار پڑھتے ہوئے جواب دیا: "اپنی ماں سے معلوم کرو، وہی چیزیں ادھر ادھر رکھ دیتی ہے۔"

☆

ماں (بیٹے سے): "آج تم نے بڑا اچھا کیا کہ سنگترے اور موسمی کے چھلکے بس کے اندر نہیں پھینکے، آخر تم نے ان کا کیا کیا؟"

بیٹا: "میں نے چھلکے پاس بیٹھے آدمی کی جیب میں ڈال دیے۔"

(محمد عمر فاروق، ملتان)

ایک شخص نے اپنے دوست کو اپنے گھر کی دوسری منزل پر دعوت پر بلایا۔

اگلے دن جب اس کا دوست بڑی مشکل سے ہانپتا کانپتا سیڑھیاں چڑھتا ہوا پہنچا تو دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ "دیکھا! میں نے تمھیں بے وقوف بنا دیا۔" اس کے دوست نے غصے میں وہاں لکھ دیا: "میں تو یہاں آیا ہی نہیں۔" ([illegible])

ایک بوڑھے شخص نے دروازے پر دستک دی، اندر سے ایک لڑکا باہر آیا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو یوں ہوئی۔

بوڑھا: "بیٹا! تمہارے ابو گھر پر ہیں؟"

بچہ: "جی نہیں! وہ دفتر گئے ہیں۔"

بوڑھا: "اچھا امی تو ہوں گی؟"

بچہ: "وہ خالہ جان کے گھر گئی ہیں۔"

بوڑھا (کچھ سوچتے ہوئے): "تو کوئی بڑا بھائی ہوگا؟"

بچہ: "وہ کالج گئے ہیں۔"

بوڑھا: "تو کوئی بڑی بہن بھی ہوگی؟"

بچہ: "جناب! وہ پھپھو کے گھر گئی ہیں۔"

بوڑھا (مزید غصے سے): "تو تم گھر میں کیا کر رہے ہو؟"

بچہ (معصومیت سے): "میں بھی اپنے دوست کے گھر آیا ہوں۔"

([illegible])

ایک آقا نے باغ میں مٹی کا ایک ڈھیر دیکھ کر اپنے نوکروں سے کہا: "ایک گڑھا کھود کر اس مٹی کو دبا دو۔"

نوکروں نے کہا: "گڑھا کھودنے سے جو مٹی نکلے گی وہ کہاں جائے گی؟" آقا نے جواب دیا: "کتنے احمق ہو، اس کے لیے ایک اور گڑھا کھود لینا۔"

☆

استاد: "پیارے بچو! تمہیں کون سی چیز میرا ادب کرنے پر مجبور کرتی ہے؟"

لڑکا: "جناب، چھڑی۔" ([illegible])

☆☆☆































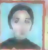






















سویرا قمر

جاڑا آیا

بلو میاں اسکول سے گھر آئے تو روز کی طرح سویٹر آستینوں کے ذریعے ان کے گلے میں بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے کمرے سے باہر ہی سے صوفے پر اچھال دیا تھا۔ امی جان جو وہیں لاؤنج میں بیٹھی سبزی چھیل رہی تھیں، بلو میاں کو اس طرح بے دردی سے سویٹر پھینکتا دیکھ کر غصے میں آ گئیں اور بلو میاں کو ناپسندیدگی کے عالم میں مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔ "بلو! میں نے آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ سویٹر کو اس طرح توڑ مروڑ کر نہیں پھینکا کرتے، اس کے ریشے خراب ہو جاتے ہیں۔ اول تو آپ کو سویٹر اتارنا ہی نہیں چاہیے آپ کو سردی لگ سکتی ہے اور آپ بیمار ہو سکتے ہیں۔ آج تو سردی بھی زیادہ ہے۔ کیسی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی ہے۔"

"اُف سردی... سردی، سردی! زہر لگتی ہیں مجھے یہ سردیاں۔ اتنے سارے موٹے موٹے کپڑے پہنو، صبح سے شام تک لادے پھرتے رہو۔ اُف کس کرب میں ہوں۔" بلو میاں، امی کی نصیحت کے بجائے اپنی ہی کہنے لگے تو وہ ان کی باتیں سنتے ہوئے، بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئیں کہ اب وہ بلو میاں کی شکایت ان کے ابا جان سے کریں گی۔ مگر بلو میاں نے اپنی لاپرواہ طبیعت کے باعث اس تنبیہ کو بھی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا اور خود تیز پنکھا چلا کر کارٹون دیکھنے بیٹھ گئے۔

بلو میاں کے دادا جان جو وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کافی دیر سے خاموشی سے بہو اور پوتے کی گفتگو سن رہے تھے کیوں کہ وہ دونوں کے درمیان بولنا ان کے نزدیک ایک غیر مناسب حرکت تھی لہٰذا انہوں نے درمیان میں کسی کو بھی ٹوکا نہیں تو کیا مگر اندر ہی اندر وہ خائف تھے کہ بلو میاں تو بچے تھے مگر ان کا رویہ اور سوچ کسی غلط تجربے اور حقیقی عمل کو ہوا دے رہا تھا تو یہ طور ماں، بہو بیگم کو مضبوط اور ٹھوس دلائل کے ذریعے بلو میاں کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی نہ کہ انہیں بے جا تنقید اور مخالفت سے مزید ضدی کر دیا جاتا۔ بہرکیف، دادا جان نے گھر کے بڑے اور بزرگ ہونے کے ناتے یہ ذمہ داری خود اٹھانے کا فیصلہ کیا اور دل میں عہد کیا کہ آج رات جب بلو میاں ان کے پاس کہانی سننے کے لیے آئیں گے تو وہ ان کے ذہن میں موجود بے جا منفی سوچوں کو ختم کر کے ہی رہیں گے اور ساتھ ہی ساتھ بہو کی جانے کے وقت بہو بیگم کو بھی تحمل اور حکمت سے کام لینے کی تلقین کریں گے۔ انہوں نے کن انکھیوں سے کارٹون میں گم بلو میاں اور سامنے باورچی خانے میں سبزی کاٹتی ہوئی بہو بیگم کو دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر اخبار میں گم ہو گئے اور پھر جب بلو کی امی شام میں معمول کے مطابق چائے لے کر دادا

جان کے پاس آئیں تو دادا جان نے انہیں بھی اپنے پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔ "کیا ہوا صنوبرا کیسے آپ کچھ بات کرنا چاہ رہی تھیں؟" امی جان نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ان سے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں بیٹی دراصل میں بدر میاں کے ساتھ تمہارے رویے کے حوالے سے کچھ فکرمند ہوں۔ بیٹی! بچے معصوم اور نا سمجھ ہوتے ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ اگر وہ کوئی غلط حرکت کریں تو محبت اور پیار کے ساتھ انہیں سمجھائیں اور غلط کام سے روکیں اور حتی الامکان کوشش کی جائے۔ اب جیسے دوپہر میں تم بدر میاں کو ڈانٹ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم ان کی شکایت کرو گی انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ آخر تم انہیں صبح سویرے اٹھنے کی تاکید کیوں کرتی ہو؟ پھر اس طرح ان کی عادتیں بھی سنورتیں اور ان کے کاموں اور نظام کو زیادہ بہتر کہا گیا ہے اور یہ کہ کائنات ایک نظام سے چلتی ہے تو کیا یہ زیادہ مناسب نہ ہوتا؟"

دادا جان نے تفصیل سے کہتے ہوئے بہو کی طرف دیکھا تو انہوں نے شرمندگی سے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا۔ "آپ نے بالکل بجا فرمایا۔ غصے میں مجھے کچھ نہیں سوجھا کہ آخر بدر میاں کی اس بات کی وجہ کیا ہے اور اس حوالے سے انہیں کس طرح سمجھایا جائے۔"

"بہو! تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ تم صرف یہ کرنا کہ آج جب بچے کہانی سننے آئیں تو تم کسی بہانے سے ساتھ آ جانا۔ اب تم جاؤ۔ تمہیں رات کے کھانے کی تیاری بھی کرنا ہوگی۔" دادا جان نے بدر میاں کی امی پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور پھر خود کتاب کھول کر پڑھنے لگے تو وہ چائے کے خالی کپ اٹھا کر باہر چلی گئیں۔ پھر روز کی طرح جب بدر میاں اپنی چھوٹی بہن ثریا کے ہمراہ دادا جان کے کمرے میں گئے تو تھوڑی ہی دیر میں امی بھی ان کے پیچھے چلی آئیں۔

"ابا حضور بدر میاں بتاتے ہیں کہ آپ بڑے مزے مزے کی کہانیاں سناتے ہیں تو آج میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی کہانی سنوں اور اپنے بچپن کی یادیں تازہ کروں۔"

"ضرور یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ آج کہانی سننے کے بجائے ہم ایک چھوٹا سا کھیل کھیلیں۔"

"واہ دادا جان پھر تو مزہ آئے گا۔ بتائیے ہم کون سا کھیل کھیلنے جا رہے ہیں؟" ثریا نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹا یہ ذہنی آزمائش کا کھیل ہے۔ اس سے پتا چلے گا کہ آپ دونوں میں سے کس کے پاس زیادہ اور جامع معلومات ہیں اور جو زیادہ ذہین ثابت ہوگا اسے انعام کے طور پر چاکلیٹ بھی دیا جائے گا۔ اس مقابلے کی جج آپ کی امی ہوں گی جو کہ درست جوابات کی تعداد کی بنیاد پر فیصلہ سنائیں گی اور میں آپ سے سوالات کروں گا۔ تو کیا خیال ہے؟ کھیل شروع کیا جائے۔" دادا جان نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل دادا جان پھر آپ دیکھیے گا یہ مقابلہ میں ہی جیتوں گا۔" بدر میاں نے پرجوش لہجے میں کہا تو اس کی بات سن کر ثریا بولی۔ "بھائی جان یہ مقابلہ وہی جیتے گا جو اپنی ذہانت ثابت کر دے گا۔" ثریا کے سمجھانے والے انداز دیکھ کر امی اور دادا جان دونوں مسکرانے لگے۔ پھر دادا جان نے کھیل کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے۔

"میرا تو پہلا سوال یہ ہے بتائیں کہ نزلہ اور موسمی بخار زیادہ تر سردیوں میں ہی کیوں آتے ہیں جب کہ گرمیوں میں خوب کم ہوتے ہیں؟"

"دادا جان میں بتاؤں۔" ثریا نے فوراً ہاتھ کھڑا کیا۔ "جی گڑیا بتائیے۔" دادا جان سمیت سب مکمل طور پر ثریا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"دادا جان کیونکہ موسم سرما میں پسینے میں بہت کم ہوتا ہے اور انگریزی میں وٹامن سی کہتے ہیں بہت زیادہ مقدار میں چلا جاتا ہے جو انسان کی قوت مدافعت کم ہونے کے ساتھ ساتھ نزلہ و زکام سے چھینک اور کھانسی میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے کیوں کہ سردیوں میں گلا خشک ہونے کے باعث ان امراض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک جواب دیا گڑیا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی بنائی ہر شے اور فطرت کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے۔" دادا جان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا پھر بولے۔ "اچھا بچو! اب دوسرا سوال یہ ہے کہ کون سے میوے کی شکل انسانی عضو سے ملتی جلتی ہے؟"

"دادا جان اس کا جواب مجھے معلوم ہے۔" اس بار بدر میاں نے ہاتھ کھڑا کیا تو سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"بتاؤ بیٹا۔" امی نے کہا۔

"دادی جان اخروٹ کی گری کی شکل انسانی دماغ سے ملتی ہے۔" بدر میاں نے جواب دیا تو امی نے انہیں شاباشی دیتے ہوئے کہا۔ "بالکل ٹھیک بیٹا۔ اسی لیے خاص طور پر اخروٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دماغی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے۔"

"اچھا بچو! اب میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ کون سا میوہ پھل سے بنتا ہے؟"

اس بار بلو میاں نے دوبارہ ہاتھ کھڑا کیا تو دادا جان نے سر ہلا کر انہیں جواب دینے کی اجازت دی تو بلو میاں بولے۔ "دادا جان! کشمش اور خوبانی دو میوے ہیں جو پھلوں کی خشک شکل ہیں۔"

"شاباش بیٹا! اور تمہیں پتا ہے کہ کشمش بھی یادداشت کو ترقی دے اور خوبانی صحت کے لیے مفید ہے۔" امی نے آگے بڑھ کر انہیں شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم سارے ہی میوے صحت کے لیے کسی نہ کسی طرح مفید ہیں۔ ارے ہاں مجھے یاد آیا میرے دوست نے کوئٹہ سے خاص طور سوغات بھجوائے ہیں۔ ذرا الماری سے پیکٹ تو نکال کر لاؤ۔ موسم سرما میں تو ہے خاص طور پر گرم گرم مونگ پھلی اور چلغوزے کھانے کا تو مزہ ہی الگ ہے۔"

دادا جان نے امی سے کہا تو وہ میوے کا پیکٹ نکال کر لے آئیں اور تھوڑا سا میوہ پلیٹ میں الگ کر کے دادا جان کے سامنے رکھ دیا۔ دادا جان نے دونوں بچوں کو تھوڑا تھوڑا میوہ ہتھیلی میں دیا اور خود بھی کھانے لگے اور بہو کو بھی لینے کا اشارہ کیا۔ بچے چلغوزے، کاجو، بادام، پستے اور خوبانی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور تھوڑا تھوڑا اٹھانے لگے۔

"چلو بچو! اب اگلے سوال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب چوتھا سوال یہ ہے کہ سورج کے کوئی سے تین فائدے بتاؤ؟" دادا جان نے کاجو کے چند دانے منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا تو چند لمحوں بعد گڑیا نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ "میں بتاتی ہوں دادا جان۔ سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ سورج سے نکلنے والی روشنی ہماری زمین کو بھی روشن رکھتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سورج سے حاصل ہونے والی توانائی جسے ہم شمسی توانائی کہتے ہیں یہ جدید تحقیق کے بعد بہت سے کاموں میں بجلی کے طور پر استعمال ہو رہی ہے جیسا کہ شمسی توانائی سے چلنے والی گاڑیاں بن چکی ہیں اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سورج سے پیدا ہونے والی حرارت سے جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر موسم سرما میں سورج ہمیں گرمی اور توانائی فراہم کرنے کا سبب بنتا ہے۔" گڑیا نے تفصیلاً اور مدلل انداز میں جواب دیا۔ امی نے اٹھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ "شاباش بیٹا مجھے خوشی ہے کہ تم لوگ اپنی تعلیم دل لگا کر حاصل کر رہے ہو۔ اسی لیے تمہیں ہر شے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہیں۔"

"ہاں بچو! واقعی تم لوگوں نے اپنی ذہانت ثابت کی ہے مگر اس کا سبب تم لوگوں کا مطالعہ بھی ہے اسی لیے میں تمہیں غیر نصابی کتب پڑھنے کی تاکید بھی کرتا ہوں۔ اور ہاں بچو! اب جو ذکر نکلا ہے تو میں یہاں بتاتا چلوں کہ سورج سے ہمیں وافر مقدار میں وٹامن ڈی بھی حاصل ہوتا ہے جو ہڈیوں کی مضبوطی اور طاقت کے لیے بے حد ضروری ہے۔ گرمی میں تو ہم سورج کے سامنے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے مگر موسم سرما میں دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ بھرپور فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ چلو بیٹا اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت یقیناً پوشیدہ ہے۔ ہم گرمیوں میں دھوپ میں نہیں بیٹھ سکتے، ویسے بھی اس کا مزہ تو سردی میں ہے اور گاجر کا حلوہ جو آپ کو بہت پسند ہے کیسے کھا سکتے۔ یہ سب موسم سرما کی سوغاتیں اور نعمتیں ہیں۔ اس لیے بیٹا کسی چیز سے بے جا نفرت رکھنا اچھا نہیں۔ ہر شے کے مثبت اور منفی پہلو دونوں دیکھنے چاہئیں۔" دادا جان نے بہو کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا کیونکہ وہ دادا جان کا اشارہ سمجھ چکی تھیں۔ تب دادا جان نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مقابلے کے نتائج بتانے کا اعلان کیا تو دونوں بچے جوش سے دادا کی طرف دیکھنے لگے۔ "بھئی گڑیا اور بلو! آپ دونوں نے تمام سوالوں کے صحیح جواب دے کر مقابلہ برابر کر دیا۔ اس لیے اب آپ دونوں کو ہی چیمپئن بھی دیے جائیں گے۔" "ہرا" بچوں نے خوشی سے نعرہ لگایا تو دادا جان نے دونوں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں کل چھٹی ہے تو ہم کل صبح ناشتے کے بعد لان میں کرکٹ میچ بھی کھیلیں گے اور آپ کی امی ہم سب کے لیے گاجر کا حلوہ بنائیں گی تاکہ ہم بھرپور طریقے سے موسم سرما سے لطف اندوز ہو سکیں۔"

"دادا جان زندہ باد" بچے خوشی سے جھومنے لگے اور پھر یک دم ہی بلو میاں چٹکی بجاتے ہوئے گنگنانے لگے۔

جاڑا ادھم مچاتا آیا، کپڑے گرم پہنتا آیا

گڑیا نے بھی بھائی کے ساتھ آواز دی۔

کیسی ہوا ہے فر فر کانپتے ہیں سب تھر تھر

امی جان دادا جان کی طرف تشکر آمیز نظروں سے دیکھنے لگیں کہ انہوں نے کتنے کمال طریقے سے بہو بیگم کی سوچ بدل ڈالی تھی۔ واقعی بزرگوں کا وجود نعمت خداوندی اور تجربہ عظیم اثاثہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

نیا سال اور سردی

دو دن کے برابر تین ازھائی
سورج نے بھی شکل چھپائی
سردی میں ڈوبی کل خدائی
دھند پہاڑوں پر ہے چھائی
کوئل نے آواز دہائی
سردی آئی سردی آئی

سردی کے دن آئے تھے
کون کھائے اب ٹھنڈے گھے
گاجر حلوہ گرم سموسے
مونگ پھلی کشمش چلغوزے
تازی دودھ جلیبی [illegible]
سردی آئی سردی آئی

بلبل نے ہے گانا گایا
کمبل [illegible] نیا آیا
ہاتھ [illegible] کر [illegible] ڈالا
کہتے ہیں [illegible] تایا
بھاگو [illegible] بھائی
سردی آئی [illegible]

[illegible] جائے
محفل ساری رات جمائے
کوئی بھی نہ اٹھ کر جائے
انجم بیٹھا نظمیں گائے
اوپر لے کر گرم رضائی
سردی آئی سردی آئی

(شاعر محمد انجم ایم اے، [illegible])







محمد عقیل چودھری



مصر
دریائے نیل کا تحفہ

مصر پاکستان کا ہمدرد اسلامی ملک ہے۔ ان کا آپس میں اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ ہے۔ دونوں ممالک کے عوام نے فلسطین پر اسرائیل کے ناجائز قبضے کی ہمیشہ مذمت کی ہے۔ مصر کے ساتھ ساتھ پاکستان بھی فلسطینی عوام کی اخلاقی اور مالی حمایت کے لیے آواز بلند کرتا رہتا ہے۔

آبادی کے لحاظ سے مصر دنیائے عرب کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا دارالحکومت قاہرہ (آبادی ایک کروڑ سے زائد) عرب دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یونانی مورخ ہیروڈوٹس کے بقول مصر دریائے نیل کا تحفہ ہے۔ دنیا کا طویل ترین دریا نیل وسطی افریقہ سے نکل کر وکٹوریہ جھیل میں گرتا ہے پھر یوگنڈا، سوڈان اور مصر میں بہتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ دریائے نیل کی کل لمبائی 4160 میل ہے۔

مصر عربی نام ہے جو قرآن میں بھی مذکور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مصر بن مصرائم بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر ہے۔ مصری عربی میں اسے مصر کہتے ہیں۔ اور انگریزی میں اسے EGYPT کہا جاتا ہے۔

مصر کا پورا نام جمہوریہ مصر العربیہ ہے۔ دارالحکومت قاہرہ ہے۔ اس کا رقبہ 10,02,450 مربع کلو میٹر ہے۔ مصر کا رقبہ پاکستان سے 208354 مربع کلو میٹر زیادہ ہے۔ مصر کی آبادی 77,420,000 ہے۔ پاکستان کی آبادی مصر سے تقریباً 10 کروڑ زیادہ ہے۔ سرکاری زبان عربی ہے جب کہ مصری، نوبیائی، بدوی علاقائی زبانیں ہیں۔ قومی زبان بھی عربی ہے۔ کرنسی مصری پونڈ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی غیر عربی زوجہ ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تعلق مصر سے تھا۔ جنھیں شاہ مقوقس نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ قدیم دنیا کے سات عجائبات میں سے صرف اہرام مصر اب تک باقی ہیں۔ مصر، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کا سب سے گنجان آباد ملک ہے۔ مصر کی آبادی کا بیشتر حصہ دریائے نیل کے دونوں طرف تقریباً 40 ہزار مربع کلو میٹر کے علاقے میں آباد ہے۔ مصر کی نصف آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ دنیا کی سب سے لمبی انسانی ساختہ سمندری نہر سوئز (166 کلو میٹر طویل) مصر میں واقع ہے۔ مصر واحد ملک ہے جو دو براعظموں افریقہ اور ایشیا میں واقع ہے۔ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ الازہر ہے جو مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں واقع ہے۔ جامعہ ازہر 971ء میں قائم ہوئی تھی۔

مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے پر مشتمل ہے۔ جب کہ مصر کا جزیرہ نما سینا، ایشیا میں واقع ہے۔ مصر کے شمال میں بحیرہ روم، جنوب میں سوڈان، مشرق میں اسرائیلی مقبوضہ فلسطین، خلیج عقبہ، بحیرہ قلزم اور مغرب میں لیبیا واقع ہے۔ مصر کے مشرقی حصے میں دریائے نیل بہتا ہے۔ مصر میں وادی نیل کی لمبائی ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ جنوب میں اس کی چوڑائی کو اوسطاً 12 میل کے قریب ہے۔ وادی نیل کے علاوہ ملک کا 90 فی صد رقبہ پہاڑی یا صحرائی ہے۔ مصر کا مغربی صحرا دراصل صحرائے اعظم کا حصہ ہے۔ صحرائے اعظم دنیا کا سب سے بڑا صحرا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے شیث کی نسل سے حضرت ادریس علیہ السلام تھے وہ مصر کے شہر منف میں پیدا ہوئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم استعمال کیا۔ تقریباً 1800 ق م (قبل از مسیح) کے لگ بھگ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے حران (ترکی) اور شام سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے۔ مصری شہزادی ہاجرہ سے ان کی شادی ہوئی، جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور ان سے عربوں کی نسل چلی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زیادہ تر زندگی بھی مصر میں گزری۔

قدیم مصر کے فرعون کو خدا مانا جاتا تھا۔ فرعون مصری بادشاہوں کا لقب تھا۔ اولین فرعونوں کے معماروں نے ان کے بڑے بڑے مقبرے تعمیر کیے جو اہرام کہلاتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا اہرام فرعون خوفو کا ہے۔ جو پتھر کی 23 لاکھ سلوں سے مل کر بنا ہے۔ ان سلوں کا اوسط وزن اڑھائی 2-1/2 ٹن ہے جب کہ بعض 30 ٹن وزنی ہیں۔ ہرم خوفو کی بلندی 148 میٹر ہے اور یہ 13 ایکڑ پر پھیلا ہے۔

مصری فرعونوں کا زمانہ 3180 ق م سے 330 ق م تک ہے۔ ان میں مشہور فرعون آمن ہوٹپ، تھتموسس سوم، اخناتون اور اس کی ملکہ نفرتیتی، توت آمن، رعمسیس دوم اور منفتاح تھے۔ آخری دو حکمران فرعون موسیٰ کہلاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رعمسیس کے محل میں پرورش پائی اور اس کے بیٹے منفتاح کے دور میں اسلام کی تبلیغ کی۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ (1948ء) میں مصر نے غزہ کی پٹی کا فلسطینی علاقہ اسرائیل کے قبضے سے بچایا۔ سینا واپس لینے کے لیے مصری صدر انور سادات نے اکتوبر 1973ء کی جنگ چھیڑی۔ مگر چھ دن بعد وہ جنگ بندی پر مجبور ہو گئے۔ آخرکار 1979ء میں مصر اسرائیل کا ناجائز وجود تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اکتوبر 1981ء میں صدر انور سادات کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ اپریل 1982ء میں اسرائیل نے صحرا سینا کا قبضہ مصر کو دے دیا۔

دریائے نیل پر دنیا کا عظیم ترین بند اسوان ڈیم 196-70ء کے عرصہ میں تعمیر ہوا۔ یہ عظیم ڈیم اسوان کے قریب جنوبی مصر میں واقع ہے۔ یہ 3830 میٹر طویل ہے۔ اس ڈیم کی جھیل ناصر 550 کلومیٹر طویل اور 35 میل چوڑی ہے۔ اس کا شمار دنیا کے 10 بڑے ڈیموں میں ہوتا ہے۔

☆ مصر کے مشہور شہر: قاہرہ، یہ دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور مصر کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 67 لاکھ 60 ہزار ہے۔ قاہرہ نہ صرف مصر بلکہ عالم عرب کا سب سے بڑا علمی، ثقافتی اور صنعتی شہر ہے۔ یہاں عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ قاہرہ میں عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ الازہر اور جامع مسجد عمرو بن عاص واقع ہیں۔

☆ اسکندریہ، مصر کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جو دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مغرب میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اسے اسکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ اسے حضرت عمرو بن عاص نے 642ء میں فتح کیا تھا۔ یونانیوں نے یہاں جزیرہ فاروس پر روشنی کا مینار تعمیر کیا تھا۔ جو دنیا کے سات قدیم عجائبات میں شمار ہوا مگر آج اس کا کوئی وجود نہیں۔

☆ اسیوط: یہ اسلام کے بہت بڑے عالم، محدث اور مفسر قرآن علامہ جلال الدین سیوطی کا شہر ہے۔ جو یہاں 1445ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اسیوط وسطی مصر میں دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 36 لاکھ ہے۔

☆ پورٹ سعید: یہ اہم تجارتی بندرگاہ ہے۔ جو نہر سوئز کے شمال میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یورپ اور ایشیا کے درمیان سفر کرنے والے بحری جہاز یہاں رکتے ہیں۔ اس کی آبادی 5 لاکھ 15 ہزار ہے۔ ☆☆☆



ا	ج	ت	و	ن	ص	ط	ع	ل	ک
م	س	ل	م	ا	ن	ث	ی	خ	ی
ظ	گ	ہ	د	ف	و	ن	پ	چ	غ
ص	م	ض	ط	ل	ظ	ق	ا	ک	ح
ب	ق	ا	ف	ک	ے	و	ح	ء	ہ
ل	ب	ل	س	ش	ق	پ	ص	ٹ	ت
و	و	ش	ن	ج	ن	گ	ٹ	ط	ب
ص	ل	ک	ا	ش	م	ل	ک	ہ	ر
و	ج	ر	ر	ا	ت	ف	ر	ی	ت
م	ج	س	ا	م	ر	و	د	ش	ن

آپ نے حروف ملا کر دس الفاظ تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان الفاظ کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

فلک، جنگ، امرود، لشکر، مسلمان، صحابی، برتن، مقبول، رفتار، موصول



(گزشتہ سے پیوستہ) خوف و ہراس پھیلایا ہوا ہے۔ یہی لوگ چہرے بیچتے تھے۔ احمد نے سوچا انداز میں کہا ہو گویا۔ "یہاں پر کہیں بھی بچے کا ہے۔" شہزاد نے احمد کی تائید کی۔ "اچھا! چھوڑو، تم لوگ ابھی آرام کرو، صبح بات کریں گے۔ گاؤں کا تفصیلی جائزہ میں لے چکا ہوں۔ کل ہم لوگ کوئی حصہ بنا لیں گے۔ ٹھیک ہے۔" تینوں سفر کی وجہ سے چونکہ تھکے ہوئے تھے۔ اس لیے فوراً ہاں کہہ دیا۔ احمد مسکراتے ہوئے شب خیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اپنے پلنگ پر کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کیوں کہ آج وہ پورے گاؤں کے اطراف کا سارا جائزہ لے کر آیا تھا اور اسے گاؤں میں شمال کی جانب والے کھیت کی دوسری جانب جس کے ساتھ ایک جنگل بھی تھا۔ اس کو پورے گاؤں میں یہی جگہ پراسرار لگی تھی۔ وہاں اسے دو سر سے پاؤں تک سفید پوش نظر آئے تھے۔ احمد فوراً درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا اور وہ سفید پوش اس کے پاس سے گزر گئے تھے۔ کھیت کے دوسری طرف جا کر وہ دیر کھڑے ہوئے پھر احمد کو وہاں سے کھٹکے کی آواز بھی آئی تھی جیسے کسی چیز کا ڈھکن کھلا ہو اور پھر وہ دونوں سفید پوش غائب ہو گئے تھے۔ احمد کو ان کا لنک مل گیا تھا۔ اس لیے وہ واپس آ گیا اور اپنے دوستوں کے ساتھ منصوبہ بنا کر ان لوگوں کا راز فاش کرنے کا سوچا تھا۔ کھڑکی سے کھٹکے کی آواز سے احمد کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹا۔ وہ بے حد حیران ہوا کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر گلی میں کھڑکی کے پاس سے ایک سایہ گزرا۔ اندھیرے کے باعث وہ فوراً دیکھ نہیں پایا تھا۔ غور کرنے پر اس کو تین سائے سے نظر آئے۔ احمد دبے قدموں کی چاپ بچا کے کھڑکی کے پاس آیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کو واضح تو کچھ نہیں تھوڑی بہت آواز سنائی دی۔ ان میں سے ایک سایہ کہہ رہا تھا۔ "ہاں میں نے پتا کیا ہے۔ وہ تینوں جو آج آئے تھے۔ اسی گھر میں ٹھہرے ہیں اور یہ لوگ ضرور ہمارے خلاف قدم اٹھائیں گے کیوں کہ وہ جنگل میں بھی گئے تھے اور ان کے بیگوں میں سے سامان بھی مشکوک قسم کا نکلا ہے۔ ہمارا ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ ورنہ ہماری خیر نہیں۔" "چلو انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" دوسرا سایہ حرکت میں آیا۔ احمد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ ضرور میرے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ وہ دبے پاؤں فوراً سیڑھی چڑھ کر گیا اور ان کے کمرے میں جا کر دروازہ کھول دیا۔ احسن نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کر رہا تھا۔ "دیکھا تم نماز پڑھ رہے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی۔" احمد نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ احسن پہلے تو اس کو رات کے وقت دیکھ کر حیران ہوا لیکن جب اس نے اس طرح سرگوشی کی تو چونک گیا۔ "کیا ہوا خیریت تو ہے" احسن اسی کے انداز میں بولا۔ احمد نے احسن کو ساری بات بتائی اور

ان کا منصوبہ پہلے ہی تھا۔

"جی، بالکل ٹھیک ہے۔ ایسے میں ان لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔" احسن نے احمد کی بات میں ہاں ملائی۔ کچھ ہی لمحوں بعد قدموں کی آواز آئی۔ قدموں سے وہ لوگوں کا اندازہ ہوا۔ وہ دونوں اندر کی سمت میں ساکت و جامد کھڑے ہو گئے۔ وہ سلیم پاشا کے کمرے میں داخل ہوئے، ان کے چہروں پر جیسا کہ سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے، دروازے کی اوٹ سے نکل کر احمد اور احسن نے فوراً ان دونوں کو ان کے منہ سے کھینچتے ہوئے [illegible] ان کی گردنوں کے گرد اپنے بازو سے دباؤ ڈالا اور ان کے منہ پر ہاتھ رکھا تاکہ کوئی شور نہ کر سکیں۔ وہ دونوں انسان ہی تھے۔ احمد نے ایک آدمی کی گردن پر ہاتھ مارا تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ یہی کام دوسرے احسن نے دوسرے اور تیسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ پھر انہوں نے ان کے مالک کو [illegible] احمد نے [illegible] سب کو احسن کے بیگ سے رسی نکال کر ہاتھ پاؤں باندھ [illegible] کپڑا [illegible] دیا اور بیڈ کے نیچے دھکیل دیا۔

دونوں نے پہلے تو چونک کر دونوں کو دیکھا۔ پھر اپنی شرٹ اور [illegible] کے بجائے ان کے کپڑے پہن لیے۔ شیشے میں احمد نے دل سے اپنی مشکل آنکھوں سے سلیم پاشا کو دیکھا۔ وہ اس کا چہرہ ساتھی دیکھ کر اپنا ساتھی سمجھ کر آئے تھے۔ پھر [illegible] کے پیچھے چل کر [illegible] کی طرف جا رہے تھے۔ جلدی آؤ، سب [illegible] ہے۔" چونکہ سلیم پاشا جس کا نام [illegible] تھا کہ [illegible] "جی، ہم آ رہے ہیں۔" احسن فوراً آواز بدل کر بولا اور ساتھ ہی اپنی رفتار بھی بڑھا دی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ لوگ [illegible] کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ [illegible] دیکھ کر احمد محسوس کر رہے تھے کہ ان لوگوں نے اپنی حفاظت کے لیے [illegible] بہت سب ہی ہوئے ہیں۔

صبح کا نور پھیلنا شروع ہو رہا تھا، اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ صبح ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر کی مسافت کے بعد وہ لوگ اسی جگہ پہنچے جہاں احمد نے وہ سلیم پاشا کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا زمین کے ساتھ [illegible] تھا۔ جس کے سامنے طرف ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے کے ساتھ اس انداز میں لگا کر اس کا لاک سیٹ کیا گیا تھا کہ کوئی بھی شخص [illegible] ہو سکتا تھا کہ اس وقت میں کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ احمد نے آگے بڑھ کر [illegible] کے درمیان میں ہلکا سا دبایا تو وہاں سے [illegible]

بہت [illegible] ایک سرنگ سامنے آ گیا۔ احمد نے پاس جا کر اور ایک بہت بڑا گیٹ کھول کر زمین کے ساتھ نصب تھا۔ وہ کھل گیا اور اس کے اندر نیچے جانے والی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور نیچے گھپ سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پھر وہ چاروں دوست نے کا نام لے کر سیڑھیاں اترنا شروع ہو گئے۔ جیسے ہی آخری شخص کا قدم تھا، پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ہر طرف تیز روشنی پھیل گئی اور ان کو صاف نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ لوگ ایک بڑے سے کمرے میں جا رہے تھے۔ وہ چاروں دوست حیران تھے کہ کیسے ان لوگوں نے یہاں ایک پورا شہر آباد کر رکھا ہے۔ ان میں تجسس بڑھ رہا تھا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور یہ کس کام کے لیے ہیں۔ جب سیڑھیاں اترتے ہی ان کو وہاں کا منظر نظر آنے لگا۔ جب نے [illegible] میں بڑی تبدیلیاں اور [illegible] کے دیکھے اور کئی [illegible] تھے۔ پورا [illegible] سے بھرا ہوا تھا۔ احمد نے جال بچھا رکھے تھے۔ جب جب [illegible] آگے بڑھ رہے تھے، پیچھے نظر رکھی تاکہ وہ رکن کا بہتر جائزہ لینا چاہتے تھے۔ احمد اور احسن وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کی جانب والے کمرے میں آئے۔ وہ کمرہ [illegible] تھا، جہاں دوسرے کمرے کی بہت بڑی بڑی تھیں۔ کمرے کی [illegible] کے آگے جا کر [illegible] ایک دوسرے [illegible] میں داخل ہو گئے۔ آگے ایک دکھائی دیا، [illegible] بہت سے مزدور ہاؤس میں زخمی پڑے ہوئے بڑی بڑی مشینوں کے آگے کام کر رہے تھے۔ ان بڑی بڑی مشینوں میں مختلف [illegible] ادویات بن رہی تھیں۔ اور ساتھ میں مشینوں ہی کی مدد سے وہاں ان کی پیکنگ ہو رہی تھی۔ جو لوگ کام کر رہے تھے ان کو تھوڑا تھوڑا آکسیجن دے رہے تھے۔ جیسے ہی ان کی نظروں سے [illegible] گیا، پھر سامنے والے [illegible] پر ایک سلیم پاشا کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ اس کی گردن بار بار [illegible] رہی تھی۔ اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ احمد نے احسن سے کہا: "اس دکھانے کا تو اس کا پتا چلتا ہے۔" احسن فوراً سلیم پاشا کے پاس گیا اور آواز بدل کر بولا تو وہ سیدھے ہونے لگے۔ "ہم جیسا کہ میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں آرام کی جگہ دکھاتا ہوں۔ وہاں اگر تم آرام بھی کرو گے تو کوئی تمہیں دیکھے گا بھی نہیں۔ تم ابھی سو جاتے ہو، تمہاری ڈیوٹی میں کرتا ہوں۔" وہ سلیم پاشا خوشی خوشی اس کے ساتھ چل پڑا۔ احسن اس کو لے کر کمرے میں گیا اور وہاں اس کو بھی بے ہوش کر کے [illegible] میں کر دیا۔

ڈال کر باندھ دیا۔ پھر اس کا سلیپنگ بیگ لے کر جہاں وہ پڑا ہوا تھا اس آدمی کو دروازوں کے پیچھے چھپا دیا۔ تھوڑی دیر میں احمد بھی ایک سفید پوش کا لباس خود پہن لیا۔ اب وہ چاروں دراصل اُنھی سفید پوش کے حلیوں میں تھے۔ اب ان کو اس وسیع تہ خانے میں چاروں طرف پھیلنا تھا۔ احمد نے جمال اور صاحب کو سمجھا دیا کہ ہر کوئی تہ خانے کے چاروں طرف پھیل جائے اور ایک ادھر سے اور اپنے اطراف کی صورت حال کا جائزہ لے کر ایک دوسرے کو آگاہ کرے جب تک چاروں گیم سے نکل کر تہ خانے کے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ وہ چاروں سفید لباس میں تھے۔ احمد جان گیا تھا کہ وہ سب نشے کی حالت میں ہیں۔ گاؤں کے معصوم لوگوں کو انہوں نے اس نشے کا عادی بنا دیا تھا۔ احمد دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کے قدم وہیں جم گئے تھے۔ یعنی کہ وہ اس پوری جگہ کا کنٹرول روم تھا۔ بڑی بڑی اسکرینوں پر پورے گاؤں کا کونا کونا ان اسکرینوں پر آ رہا تھا۔ وہاں سے گاؤں کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ لوگ جو آئے روز گم ہوتے تھے وہ سب ان کو معلوم تھا تو یہ ان لوگوں کو وہاں رکھتے تھے۔

جمال اور شہزاد تہ خانے کے شمال جانب کا جائزہ لیتے ہوئے اور پورے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہاں لوگ بھی نشے میں چھوٹی چھوٹی مشینوں پر مسلسل کام کر رہے تھے۔ ان کے پاؤں میں زنجیریں تھیں۔ وہ لوگ بے حد تکلیف میں دکھائی دیتے تھے۔ جمال کا تو یہ دیکھ کر خون کھول رہا تھا لیکن وہ مجبور تھا۔ یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ وہ لوگ شہزاد کو یہاں سے نکال کر کہاں لے گئے۔ اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے دوسری جانب کی چھت پر قدم رکھے ہی تھے کہ ان دونوں کی کمروں کے ساتھ بندوقیں تان دی گئیں۔ "کسی نے بھی حرکت کی تو گولی کھوپڑی کے پار ہو جائے گی۔" ایک سفید پوش کی آواز گونجی۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر پیچھے مڑے ہی تھے کہ دونوں کی کنپٹی پر ایک سخت سی ضرب لگائی گئی اور دونوں بے ہوش ہو کر ان کی بانہوں میں جھول گئے۔

احمد نے نیم غنودگی میں آنکھیں کھولیں۔ اس کا ذہن پھٹ رہا تھا جیسے اس پر سیاہ چادر اٹھا دی ہو۔ کسی نے اپنا کام کرنے کا پہلے سے ہی بند کر دیا ہو لیکن یہ اندھیرا ابھی احمد کے خیال کے مطابق چند لمحوں تک رہا۔ اس کے بعد پہلے کی طرح روشنی ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی احمد نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں اس لیے ناکام رہا کیونکہ وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کنٹرول روم کی بجائے ایک چھوٹے سے کمرے کے فرش پر دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کے عقب میں بندھے ہوئے تھے اور اسی طرح اس کے پیر بھی آگے کر کے انہیں بھی رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس نے جیسے ہی گردن گھمائی تو اس کے ساتھ ہی اسی جیسی حالت میں علی احسن، جمال اور شہزاد بھی موجود تھے لیکن وہ ابھی بے ہوش تھے۔ آنے والا وقت بے حد کڑا ہونے جا رہا تھا۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک آدمی اپنے اصلی حلیے میں ہاتھ میں گن پکڑے کھڑا تھا اور انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ سب اپنے اصلی حلیوں میں تھے۔ ان کے نقلی حلیے اتارے جا چکے تھے۔ اور ہوش میں بھی آ چکے تھے۔ چند لمحوں بعد احسن، جمال اور شہزاد نے بھی گردن گھمائی اور حیرت بھری نظروں سے اپنے آپ کو اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ان کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہارا تعلق پولیس سے ہے کیا؟" کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس خفیہ تہ خانے کے چیف ماسٹر ہو۔" احمد نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کر دیا۔ تو وہ آدمی چونک پڑا اور اس کے چہرے پر شدید حیرت کے اثرات ابھرے۔

"تم نے یہ بات کس بنا پر کی ہے۔" کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے تیز لیکن حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ ہم اسی خفیہ تہ خانے کے اندر ہی موجود ہیں۔ اور باقاعدہ تم لوگ ہمیں یہاں پوری چالاکی سے لائے ہو اور ویسے بھی جس طرح تم یہاں آ کر بیٹھے ہو اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ چیف تم ہی ہو۔" احمد نے باقاعدہ اپنی بات کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں ہی چیف ہوں اور میرا نام فرہاد ہے اور اس تہ خانے سے باہر کے تم چاروں پہلے افراد ہو جنہوں نے میرا چہرہ دیکھا ہے۔ ورنہ دنیا تو صرف فرہاد کے نام سے ہی واقف ہے۔" فرہاد نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں حیرت ہو رہی ہے کہ مجھے علم ہوا۔" احمد نے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو فرہاد کے چہرے پر ایک دفعہ پھر فخریہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"تم نے کنٹرول روم میں بڑی بڑی اسکرینیں تو دیکھی ہوں گی۔ تو تمہارے یہ تینوں ساتھی جب اسکرین کے سامنے آئے تو میں

مشکوک قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے ایک دو لاشیں وہ رات کے اندھیرے میں دبا چکا تھا۔ اس کا چہرہ تو دو دیکھ پائے تھے۔ لیکن اس کی تلاش جاری تھی۔ جب یہ تینوں آئے تو یقین ہو گیا ان کو تم ہی نے بلایا ہے۔ تم تک بھی یہ تینوں آتے ہی پہنچ گئے تھے۔ پھر تمہارے ان دوستوں کو مانیٹر کیا گیا۔ تو یہ واقعی مشکوک لگے۔ میرے خیال سے تمہارے ساتھیوں کے پیچھے میرے آدمی تھے لیکن یہ لوگ بھی تربیت یافتہ تھے۔ بچ گئے۔ ان کے ہاتھوں سے تو میرے آدمی نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جب میرے لوگ ان تک پہنچنے گئے تو وہاں تم دونوں نے ہوشیاری دکھا کر میرے بندوں کے حلیوں میں کر اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ تم لوگوں کی اس ہوشیاری کا میرے بندے دلبر کو پتا چل گیا تھا۔ فرہاد نے پیچھے کھڑے مسلح آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے بھی ظاہر نہیں کیا۔ اگر تم لوگ شرافت سے خود آ رہے ہو تو اس کو بتانے کی کیا ضرورت تھی پھر تم لوگوں سے کچھ اس طرح کی غلطیاں سرزد ہو گئیں کہ اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ تم لوگوں کے آنے کے بعد دلبر نے ایک آدمی کو وہیں بٹھایا تھا۔ جہاں تم دونوں نے میرے بندوں کو باندھ کر پلنگ کے نیچے کر دیا تھا۔ فرہاد مسلسل جواب دیتے ہوئے بولا۔

احمد اتنا تو جان گیا تھا کہ وہ لوگ اسمگلنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے یہاں جو جال بچھایا ہے وہ یہیں سے پورے ملک میں سپلائی کرتے تھے۔ احمد نے کہا وہ اب اس سے باتیں کر رہا تھا کیونکہ اس نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ بلال، شہزاد اور احسن تینوں کے بازوؤں میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ تینوں بھی اپنے ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ درست تھا کہ ان کی ٹانگیں سامنے کی جانب بندھی ہوئی تھیں اور سامنے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں اور وہ ان کے سامنے انہیں کھول نہیں سکتے تھے لیکن اس کے اوپر یک لخت اچھل کر حملہ تو کر سکتے تھے لیکن وہ دو تھے اور وہ اکیلے احمد شاید ان پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ اس لیے وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ تینوں بھی پہلے اپنی اپنی رسیاں کھول لیں۔

احمد کو افسوس ہوا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب حرام کا دھندہ ہے تم لوگوں کی زندگیاں تباہ کر رہے ہو۔ احمد نے اس آدمی سے کہا۔ کتنے کی زندگی بے آواز ہے۔ تمہیں ان لوگوں کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔" "بس بس۔ میں کسی حرام حلال کو نہیں جانتا۔ میں بس دولت کمانا جانتا ہوں۔" فرہاد درمیان سے احمد کی بات کاٹ کر بولا "اور رہی گاؤں والوں کی خوشی کی بات تو مجھے اس سے کوئی سروکار

نہیں ہے۔ مجھے بس اپنا حصہ چاہیے۔ گاؤں والے بہت معصوم اور بھولے بھالے لوگ ہیں۔ اس لیے ان کو صرف اس لباس سے ڈرایا جاتا ہے اور دو چار بندوں کو مار کر بھی اپنی دہشت بٹھا دی ہے اور اگر کوئی گاؤں سے جانے لگے یا کوئی آئے تو اس کو اٹھا کر یہاں لا کر کام کروایا جاتا ہے۔ فرہاد فخریہ انداز میں بولا۔

یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں۔ اچانک احمد نے کہا اس کے ساتھ ہی حرکت میں آ گیا۔ اپنی پھیلی ہوئی ٹانگوں کو اندر کی طرف سمیٹ لیا۔ گویا کہ ان تینوں نے مخصوص انداز میں سر ہلا کر بتا دیا تھا کہ وہ تینوں اپنے ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ احمد کے ٹانگیں سمیٹنے پر ان تینوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

یہ کیا کر رہے ہو تم۔ فرہاد نے یک لخت چونک کر کہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا اچانک احمد ایک جھٹکے سے اٹھا اور دوسرے لمحے جیسے کوئی بھاری پرندہ فضا میں اڑتا ہے۔ اس طرح اس کا جسم ہوا میں اچھلا اور دوسرے لمحے فرہاد کی پشت پر کھڑا آدمی چیختا ہوا ایک طرف جا گرا۔ جب کہ فرہاد احمد کے جسم کے دباؤ سے کرسی سمیت پشت کے بل فرش پر جا گرا۔ احمد نے پھرتی سے فرہاد کے آدمی کو ایک ہاتھ سے مخصوص انداز سے ضرب لگا کر ایک جانب اچھال دیا تھا۔ البتہ اس نے اس کے ہاتھ سے گن چھین لی تھی۔ وہ آدمی دور جا کر گرا اور دوبارہ تیزی سے اٹھنے ہی لگا تھا کہ احسن نے اس پر چھلانگ لگا دی اور ایک بار پھر اسے نیچے گرا دیا تھا۔ فرہاد نے یک لخت احمد کو دونوں ٹانگوں سے اٹھا کر سامنے دیوار سے دے مارا اور خود جھٹکا کھا کر اٹھا ہی تھا کہ بلال اس سے ٹکرایا اور بلال کی زوردار ٹکر کھا کر فرہاد کے جسم نے جھٹکا کھایا۔ اسی لیے کمرہ انسانی چیخ اور گن کی ریٹ ریٹ سے گونج اٹھا۔ یہ فائرنگ احمد نے کی تھی کیونکہ فرہاد کے آدمی نے جیب سے پستول نکالا۔ میں احسن کو ایک طرف اچھال دیا اور خود تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن شہزاد نے کسی بھوکے چیتے کی طرح اس کے سر پر دوسری ٹکر ماری اور اس بار فرہاد کا جسم ڈھیلا پڑتا چلا گیا جب کہ فرہاد کے آدمی پر فائرنگ کرتے ہی احمد اچھل کر کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی جھک کر اپنے پیروں کو رسیوں سے آزاد کیا اور اس کے ساتھ ہی تینوں نے بھی یہی کارروائی کی اور جلد ہی وہ تینوں بھی پیروں میں بندھی رسیوں سے آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد فوراً احمد باہر گیا اور اندر آ کر فرہاد کی ٹانگیں اور ہاتھ باندھ دیے کہ اگر ہوش میں آ بھی جائے تو بھاگ نہ پائے۔ احسن تم میرے ساتھ آؤ اور بلال تم ہال کے بائیں جانب جا کر

کنٹرول روم میں اس رنگ کا بٹن سرکٹ ہوگا تم اس کو دبا دینا اور شیزو تم اس پر نظر رکھو۔ احمد نے آنکھ کے اشارے سے فرہاد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ فوراً احسن کو لے کر باہر نکلا اور جائزہ لیا۔ وہاں تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ان کو کوئی اور مشینری نہیں ملی ہے۔ جب وہ دونوں باہر آئے تو وہ ان کو اسی کمرے میں لے آئے۔ جہاں فرہاد بندھا ہوا تھا اور ان کو بھی بے ہوش کر کے رسی سے باندھ دیا۔

احمد نے کنٹرول روم میں جا کر گاؤں کے قریبی چوکی پر پولیس کو کال کی اور ان کو فوراً سے پیشتر آنے کا کہا۔ جتنی جلدی ہو سکتا ہے وہ لوگ اپنی نفری کو لے کر آ جائیں۔ احمد نے کال کر کے فون بند کر دیا۔

تین گاڑیوں کے رکنے اور ٹائروں کے چرچرانے کی آواز آئی۔ جیسے بہت تیز رفتار میں گاڑی کو بریکیں لگائی ہوں اور ان میں سے اس ادارے کے قریب لوگ باہر نکلے تھے۔ ابھی وہ نکل کر اسی کی جانب بڑھنے ہی لگے تھے کہ ان کے پیچھے ہی چار پانچ پولیس کی گاڑیاں اپنے مخصوص سائرن کے ساتھ دکھائی دیں۔ جو کہ ان سے کچھ فاصلے پر آکر رکیں۔ اور ادھر سے پولیس کے آدمی بجلی کی سی تیزی سے نکل کر ان کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ جب تک ان کی سمجھ میں کچھ آتا۔ پولیس ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر چکی تھی اور انہوں نے بھی حرکت میں آنے کی کوشش کی تھی کہ پولیس انسپکٹر کی گرج نے انہیں وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ اگر یہاں سے ذرا سا بھی ہلے تو تم لوگوں کو گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔ اپنے ہاتھ اوپر کرو۔ ادھر احمد پولیس کے سائرن کی آواز سن چکا تھا۔ اس لیے فوراً کمرے میں آکر پہلے فرہاد کے منہ پر اور ناک پر ہاتھ رکھا۔ ایسا کرنے سے فرہاد کو فوراً ہوش آ گیا۔ یہی کام احسن اور شیزو نے باقیوں کے ساتھ کی۔ پھر ان کو باہر لے کر آئے اور باہر آکر ان لوگوں کو بھی پولیس کے حوالے کیا۔ جلد ہی پولیس نے ان لوگوں کو گرفتاری میں لے لیا اور ان بچوں کے کام کو سراہتے ہوئے شاباش دی۔ انسپکٹر نے بتایا کہ ہم اسی گروہ کو بہت عرصے سے ڈھونڈ رہے تھے لیکن یہ ہاتھ آکر بھی نکل جاتا تھا لیکن اب یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ پولیس نے اسمگلروں کو گاڑی میں ڈال چکے تھے۔ پھر احسن نے وہاں گیٹ کا کوڈ بدلا اور وہ لوگ بھی اپنی فتح پر خوش تھے کہ آخر کار انہوں نے گاؤں والوں کو اس مصیبت سے نجات دلا دی تھی۔ چاروں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خوشی سے گاؤں کی آبادی میں جانے والی سڑک پر گامزن ہوئے اور تھوڑا آگے جانے پر دیکھا کہ پورا گاؤں ان کے استقبال میں کھڑا تھا۔ خوشی لوگوں نے ایک جگہ سے جمع کی تھی۔ سب سے آگے احمد کے ماں باپ تھے۔ جن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔ احمد اپنے ماں باپ کے گلے لگ گیا۔ ماں کی نم آنکھوں سے بوسہ۔ گاؤں والوں نے تو ان کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ ہر کوئی خوش تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ ان لوگوں کی وجہ سے تو ان کو خوشی ملی تھی۔ ہر ایک کے منہ پر ان کے لیے دعائیں ہی دعائیں تھیں۔

احمد اور اس کے تینوں دوستوں کی شاندار ترقی ہوئی اور انہیں دوسرے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

☆☆☆

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ [illegible] ایک بار مجلس میں بیٹھے اپنے شاگردوں سے معرفت کی گفتگو کر رہے تھے کہ آپ نے مریدوں اور شاگردوں کو مخاطب فرما کر کہا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو دو رکعت میں پورا قرآن ختم کر [illegible] [illegible]

آپ کا [illegible] [illegible] [illegible]









جانوروں کے پسندیدہ کھیل

رانا محمد شاہ

وہاں بھی بہت سے کھیل ہیں۔ جن میں انسانوں کی جگہ جانور حصہ لیتے ہیں۔ تاہم ان جانوروں کو قابو کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ جانوروں کے کھیل جہاں کافی دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ کھیل کے دوران کھیلوں کی نگرانی کرنے والے عملے کے افراد اور تماشائیوں کی جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے کہ جانور کھیل کے میدان میں بے قابو ہو کر کسی پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان خطرات کے باوجود جانوروں کے ان کھیلوں میں دلچسپی لینے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ ہم یہاں جانوروں کے چند مقبول کھیلوں کا ذکر کریں گے۔

اونٹ دوڑ (اونٹ ریس)

عرب ممالک میں کھیلا جانے والا یہ ایک قدیم اور تاریخی کھیل ہے۔ یہ عرب کی قدیم روایات کا بھی حصہ ہے۔ یہ زیادہ تر متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، عمان، بحرین، اردن اور قطر میں کھیلا جاتا ہے۔ یہ کھیل اکثر ریگستانی علاقوں میں کھیلا جاتا ہے۔ اونٹ دوڑ میں شامل اونٹوں پر بہت کم عمر بچوں کو سوار کرایا جاتا ہے۔ کم عمر بچوں کو اونٹ دوڑ کے لیے استعمال کرنا جرم ہے لیکن اس کے باوجود عرب امارات میں یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ عرب امارات کے علاوہ اونٹ دوڑ آسٹریلیا اور منگولیا میں بھی ہوتی ہے۔ بچوں کے تحفظ کے قانون کی وجہ سے آسٹریلیا میں زندہ انسانوں کی جگہ اب روبوٹ اونٹوں کے مقابلے ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا میں اونٹ دوڑ کے مقابلے ہر سال کم آباد شہر ایلس سپرنگ میں ہوتے ہیں۔ "کیمل کپ" کے نام سے منعقد ہونے والے اس مقابلے سے لوگوں کو روزگار بھی میسر آتا ہے اور کئی دکانیں اور سٹال بھی لگ جاتے ہیں۔

آسٹریلیا میں اونٹ دوڑ کے سب سے بڑے مقابلے کا نام "شیخ زید انٹرنیشنل کیمل ریس" ہے۔ اس مقابلے کے فاتح کو 50 ہزار آسٹریلوی ڈالر بطور انعام دیے جاتے ہیں۔ اس دوڑ میں اونٹ کے دوڑنے کی زیادہ سے زیادہ رفتار 65 کلومیٹر فی گھنٹہ اور کم سے کم 40 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

اونٹ جب چلتا ہے تو اوپر ہو کر چلتا ہے۔ جس سے اس کا سوار اوپر نیچے ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس پر کجاوہ نہ باندھا جائے تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اونٹ کو نکیل کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے ریگستانی علاقوں میں بھی اونٹ دوڑ کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ان مقابلوں میں سوار اونٹ کی کوہان کے پیچھے بیٹھتے ہیں اور کوہان کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ جبکہ کچھ اونٹ کی دو کوہانوں کے درمیان بیٹھتے ہیں۔ مقررہ مقام سے سوار اپنے اونٹوں

کو مختلف آوازوں کے ذریعے دوڑاتے ہیں۔ جس سوار کا اونٹ پہلے منزل مقصود تک لے جائے۔ وہ جیت جاتا ہے۔

ہاتھی پولو:

پولو دنیا کا قدیم ترین کھیل ہے۔ یہ گھوڑوں کے علاوہ ہاتھیوں پر بھی کھیلا جاتا رہا ہے۔ خصوصاً ایشیا میں یہ ہاتھیوں کے ساتھ کھیلا جاتا تھا۔ ہاتھی پولو سری لنکا، نیپال، راجستھان اور تھائی لینڈ میں کھیلا جاتا تھا۔ اس میں بھی ایک پولو گیند اور 9 فٹ لمبی چھڑی استعمال ہوتی ہے۔ البتہ ہاتھی پولو کا میدان، روایتی پولو میدان سے تین گنا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی اہم وجہ شاید یہی ہے کہ ہاتھیوں کی رفتار گھوڑوں سے بہت کم ہوتی ہے۔ گھوڑے پر ایک سوار ہوتا ہے جب کہ ہاتھی پولو میں ہاتھی پر دو افراد سوار ہوتے ہیں۔ ایک کھلاڑی جب کہ دوسرا مہاوت۔ کھلاڑی جس سمت میں جانے کے لیے مہاوت کو حکم دیتا ہے۔ مہاوت اسی سمت میں ہاتھی کو لے جاتا ہے۔ انڈیا میں ہاتھی پولو کا آغاز سب سے پہلے بیسویں صدی میں بھارت سے ہوا۔

2008ء میں ہاتھی پولو کی عالمی چیمپئن شپ بھی منعقد ہوئی۔ جس کا انعقاد برطانیہ میں ہوا۔

بھینسوں کی لڑائی:

یقیناً آپ نے انسانوں اور بھینسوں کے آپس میں مقابلے دیکھے ہیں۔ تاہم اس کھیل میں ایک بھینسا دوسرے بھینسے کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ سوئٹزرلینڈ کا روایتی کھیل ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں سب سے پہلے یہ مقابلہ 1920ء میں ہوا۔ جو اب روایتی تہوار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ہزاروں لوگ یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ بھینسوں کی اس لڑائی کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ان مقابلوں میں ایک بھینسا دوسرے کو سینگوں کی مدد سے پیچھے کی طرف دھکیلتا ہے۔ یہ مقابلہ ایک گول دائرے میں ہوتا ہے۔ جس کا سائز 40 فٹ تک ہوتا ہے۔ اس مقابلے کے فاتح بھینسے کو "ملکہ" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اب یہ مقابلے سوئٹزرلینڈ سے نکل کر فرانس، اٹلی اور ترکی میں بھی جا پہنچے ہیں۔

خرگوش کی چھلانگیں:

پاکستان کی طرح دنیا بھر میں خرگوش بہت محبت سے پالے جاتے ہیں۔ اس کھیل میں خرگوش چھلانگیں لگاتے نظر آتے ہیں۔ یہ چھلانگیں مصنوعی طور پر تیار کی گئی رکاوٹوں پر لگائی جاتی ہیں۔ مقابلے کے لیے خرگوشوں کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔

تاریخی لحاظ سے خرگوش پھلانگ کے سب سے پہلے مقابلے 1970ء میں سویڈن میں منعقد ہوئے۔ ایک مشہور ٹی وی پروگرام "Thats life" میں اس انوکھے اور دلچسپ کھیل کے مقابلے دکھانے کے بعد یہ کھیل برطانیہ میں بھی مقبول ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی یورپ میں 50 سے زیادہ خرگوش چھلانگ کے کلب قائم ہیں۔ یہ مقابلے خرگوشوں کی مختلف نسلوں کے حساب سے بھی ہوتے ہیں۔ عموماً لمبے بالوں والی خرگوش کی نسل چھلانگ لگانے میں ماہر سمجھی جاتی ہے۔ بعض خرگوش کی یہ نسل بلند چھلانگ لگانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اب تک سب سے اونچی چھلانگ لگانے والے خرگوش کا ریکارڈ 39.7 انچ ہے۔ جب کہ سب سے طویل یعنی لمبی چھلانگ کا ریکارڈ 118 انچ تک ہے۔ اس کھیل سے بچوں اور بڑوں کے ساتھ ساتھ خود خرگوش بھی بہت لطف اٹھاتے ہیں۔

خرگوش دوڑ:

خرگوش دوڑ کا مقابلہ بھی خاصا مقبول ہے۔ اس میں ایک تھیلا لے کر اس میں کچھ ہوا بھر دیتے ہیں۔ پھر تھیلے کے ساتھ دھاگہ باندھ کر اس کا دوسرا سرا خرگوش کی دم کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ یہ دھاگہ تقریباً ڈھائی فٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ تھیلا خرگوش کی دم سے ایک فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ اب خرگوش کو مقررہ جگہ سے مقابلے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ خرگوش تھیلے دیکھ دیکھ کر بھاگتا ہے۔ یوں جو خرگوش تیز بھاگتا ہے۔ وہ جیت جاتا ہے۔

٭٭٭





نئے سال کا تحفہ

نئے سال کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ تمام لڑکیاں اور بازار گئے ہوئے تھے۔ لوگ شدت سے نئے سال کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح صوفیہ، عائشہ اور آمنہ بھی نئے سال کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں۔ وہ تینوں ہم جماعت تھیں۔ صوفیہ اور آمنہ کا تعلق اونچے خاندانوں سے تھا جب کہ عائشہ کے گھر کی مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صوفیہ اور آمنہ نہایت ہی بدتمیز تھیں اور عائشہ تمیز دار تھی۔ آمنہ ہر کام غلط طریقے سے کرتی اور صوفیہ بہت سست اور کاہل تھی۔ کوئی کام وقت پر نہیں کرتی تھی۔ جب کہ عائشہ ان دونوں کے برعکس تھی۔ وہ ہر کام صحیح طریقے سے اور مناسب وقت پر کرتی تھی۔

۳۱ دسمبر کا دن تھا اور ان کی دوست مریم نے نئے سال کی پارٹی رکھی تھی۔ وہاں انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گپ شپ کی اور پھر رات کا کھانا کھایا۔ نیا سال شروع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا اس لیے ان سب نے مل کر پروگرام بنایا کہ جتنی دیر بعد نیا سال شروع ہوتا ہے اتنی دیر کوئی کھیل کھیلا جائے۔ پہلے تو تھوڑی دیر انھوں نے لڈو کھیلی۔ پھر بعد میں مریم نے پروگرام بنایا کہ کھیلی جائے چھپن چھپائی۔ تمام لڑکیاں چھپنے کے لیے جگہیں ڈھونڈنے لگیں۔ صوفیہ، عائشہ اور آمنہ سب سے اوپر والے کمرے میں پہنچ گئیں جہاں صرف ایک ہی کمرہ موجود تھا۔ وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئیں۔ کمرے میں روشنی کا کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ بس دو بڑی سات موم بتیاں جل رہی تھیں جنھیں ایک کھڑکی میں رکھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تو وہاں چپکی رہیں۔ مگر پھر ان کی نظر دیواروں پر لگی مختلف تصویروں پر گئی۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ ان کی نظر وہاں سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ وہاں پر لوگ ہر قسم کے کام کرتے نظر آ رہے تھے مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، دوڑنا، لکھنا، پڑھنا وغیرہ۔ عائشہ ایک تو وہیں ہی ان تصویروں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کچھ دیر میں آمنہ کی نظر ایک تصویر کی طرف گئی جس میں رنگ غلط طریقے سے بھرے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ تصویر بہت بدصورت دکھائی دے رہی تھی۔ آمنہ نے عائشہ اور صوفیہ کو بلایا اور کہا۔ "یہ تصویر کتنی بدصورت ہے۔ دیکھو تو اس میں کتنے غلط طریقے سے رنگ بھرے گئے ہیں۔" پھر صوفیہ نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اس تصویر کو دیکھو یہاں کتنی ادھوری ہے۔ یہ مکمل ہی نہیں لگ رہی اور اسی طرح اس ادھوری چھوڑ دی گئی ہے۔" وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ انھیں آہٹ محسوس ہوئی۔ انھیں لگا کہ اس کمرے میں ان کے علاوہ بھی کوئی ہے۔ ان تینوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ششدر کی ششدر رہ گئیں۔ سامنے موم بتیوں کے پیچھے سے ایک پری نکلی اور ان کے پاس آ کر مسکرا کر بولی۔ "ہمیں خوشی ہے کہ تم تینوں کی باتیں سن رہی تھی۔" وہ تینوں اسے دیکھ کر ڈر گئیں اور عائشہ نے ہمت کر کے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟ اور یہاں پر کیسے آئیں؟" پری نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔ "تم تینوں کو مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں ایک پری ہوں اور یہیں اسی کمرے میں موم بتیوں کے پیچھے رہتی ہوں۔" پھر پری ان تینوں کے دل کی تھوڑی تسلی ہونے پر بولی۔ "آمنہ یہ جو تم نے کہا ہے نا کہ اس تصویر میں رنگ غلط طریقے سے بھرے گئے ہیں یہ اصل میں تمہاری ہی تصویر ہے۔ تم ہر کام غلط طریقے سے کرتی ہو۔" یہ بات سن کر آمنہ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ اسے پچھتاوا ہونے لگا کہ وہ جو بھی کرتی تھی غلط طریقے سے کرتی تھی۔ پری دوبارہ بولی۔ "صوفیہ تم نے جو کہا تھا نا کہ تمھیں یہ تصویر ادھوری لگ رہی ہے یہ تمہاری ہی تصویر ہے۔ تم جب ہر کام مناسب وقت پر نہیں کرتی ہو تو تمہارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔" اس بات سے اسے یاد آیا کہ وہ کام وقت پر نہیں کرتی ہے تو اس کے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسے بعد میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صوفیہ نے پری سے پوچھا۔ "عائشہ کی تصویر کہاں ہے؟" پری نے یہ بات سن کر اپنی چھڑی گھمائی اور ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "دیکھو۔" تھوڑی دیر بعد وہ تصویر روشن ہو گئی۔ پری نے کہا۔ "یہ عائشہ کی تصویر ہے۔" تینوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا۔ اس تصویر میں رنگ بھی صحیح طریقے سے بھرے ہوئے تھے اور وہ مکمل بھی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ باہر سے آتش بازی کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور ...

لوگ ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دے رہے تھے۔ انھوں نے [illegible] تھی۔ وہ مجھے بچپن سے [illegible] اپنی سہیلیوں کو نئے سال کی مبارک باد [illegible] سب نے مل کر نئے سال کا ایک کارڈ [illegible] ایک دوسرے کو [illegible] تھے [illegible] ان سہیلیوں نے [illegible] سب سے [illegible] [illegible] نے دیا [illegible]

[illegible] 185 [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] انسانیت [illegible] [illegible] معاشرے سے [illegible] آپ کو [illegible] ملیں گے مگر انسانی [illegible] اور معاشرے میں [illegible] [illegible] اپنی [illegible] رہی۔ [illegible] جب [illegible] فرشتے انسانیت کی [illegible] کے لیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اب تو [illegible] [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] آپ کو [illegible] [illegible] ہی [illegible]

[illegible] جب [illegible]

[illegible] سے [illegible] مسکراہٹ [illegible]

[illegible]

[illegible] 178 [illegible]

ایثار

سمن ... کراچی

آج سائرہ کی سالگرہ تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے اپنی تمام سہیلیوں کو بھی اپنی سالگرہ پر مدعو کیا تھا۔ مقررہ وقت پر اس کی ساری سہیلیاں آگئیں۔ ان کے ساتھ امیر سارے تحائف بھی تھے۔ ان میں سے ایک امیر لڑکی فائزہ بھی تھی۔ فائزہ کی سہیلیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ سائرہ کی سالگرہ میں شرکت کرے۔ فائزہ کی سوچ تھی کہ وہ ایک امیر باپ کی بیٹی ہے جبکہ سائرہ کا تعلق غریب گھرانے سے ہے۔ اس نے سائرہ کو گفٹ دیا تو وہ گفٹ پیک سے محروم تھی۔ سائرہ نے خوشی خوشی فائزہ سے تحفہ لے لیا۔ ... فائزہ کی ... گفٹ کو ... میں ... کر جلا ... تھی۔ وہ فرق سائرہ بہت ہی ... تھی۔

کچھ دنوں بعد میری سالگرہ ہے تم میری سالگرہ میں شرکت کرو گی تو مجھے خوشی ملے گی۔ یہ کہہ کر فائزہ اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ ... رہی تھی۔ "سائرہ تم بھی ضرور آنا۔" فائزہ نے سائرہ کو بھی ... سائرہ نے خوشی کے ساتھ بولا "فائزہ میں ضرور تمہاری سالگرہ میں شرکت کروں گی۔ ان شاء اللہ۔"

سائرہ نے گھر جا کر امی سے کہا۔ "امی! میری کلاس فیلو کی سالگرہ آنے والی ہے میں اس کے لیے ایک گفٹ لینا چاہتی ہوں جسے دیکھ کر فائزہ خوش ہو جائے۔" اس کی امی نے کچھ دیر سوچا اور کہا۔ "بیٹی! تم اس کے لیے ایک اچھا سا تحفہ لینا اور ... اچھا سا گفٹ ... تمہاری ... کو اچھا لگے گا۔"

"لیکن امی! میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں ... خرید کر ... کر سکوں۔" سائرہ نے ... کہا۔ "بیٹی! تم اپنی جیب خرچ سے جو کچھ بچتی ہو اس کا کیا کرو گی؟" اس کی امی نے مسکرا کر پوچھا۔ سائرہ نے سوچا کہ میں نے جو پیسے اپنی جیب خرچ سے بچا کر رکھے ہیں ان سے ایک اچھا سا فراک خریدوں گی۔ اس نے جواب دیا۔ "بیٹی! تم اپنی نیکی کے لیے یہ قربانی دے دو اور فائزہ کے لیے اچھا سا تحفہ لے لو۔" سائرہ نے کہا۔ "لیکن امی! ابھی تو میں نے وہ پیسے جمع نہیں کیے، پھر میں کیسے فائزہ کے لیے تحفہ خریدوں گی؟"

"بیٹی! میرے پاس کچھ پیسے رکھے ہوئے ہیں، تم فائزہ کے لیے تحفہ خرید لینا۔" امی مسکرا گئیں۔ امی نے یہ بات کہہ کر سائرہ کو مطمئن کر دیا۔ فائزہ کی سالگرہ پر وہ خوشیوں ہی خوشیوں میں گھری

ہوئی تھی۔ وہ خوبصورت سے نئے ملبوس میں ایک تحفے کے ہمراہ سہیلیوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ فائزہ کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔ فائزہ کی ساری سہیلیوں نے اسے خوب صورت تحائف پیش کیے تو سائرہ نے بھی ساتھ لائے تحفے کو اس کے پاس آ کر اسے دیا۔ فائزہ نے ایک حیرت بھری نظر سائرہ پر ڈالی کہ تحفہ کھولنے لگی۔ یہ وہی گرہ تھی کہ تحفے میں ایک گڑیا ... خوب صورت سا سوٹ تھا۔ سائرہ! فائزہ کی حیرت سے بھری آواز گونجی۔ "یہ سوٹ تو بہت مہنگا ہے۔"

"بہت مہنگا ہے لیکن تمہاری دوستی سے زیادہ نہیں۔" سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہارے پاپا نے بھی چھاپے تھے؟" اس کی حیرت طول پکڑتی جا رہی تھی۔

میں اپنی جیب خرچ سے پیسے جمع کر رہی تھی۔ میرا ارادہ تو تھا کہ میں ان سے اپنے لیے ایک پیارا سا فراک خریدوں گی، مگر تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ اس لیے میں نے اپنی فراک خریدنے کا ارادہ چھوڑ کر تمہارے لیے یہ سوٹ خرید لیا۔ فائزہ سے شرمندہ ہو کے مجھ سے کہا۔ "سائرہ تم نے میرے لیے اتنی قربانی دی اور میں نے تمہیں ... سمجھا، ... مجھے معاف کر دو۔" فائزہ وہ سب یاد کر رہی تھی جب اس نے سائرہ سے ... ایک چھوٹا سا سستا سا تحفہ دیا تھا مگر آج سائرہ اس کے لیے تحفے سے بڑھ کر ایک مہنگی چیز لائی تھی۔ فائزہ نے سائرہ سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ اب وہ سب سے عاجزی اور انکساری سے ملتی اور ... سے پیش آتی ہیں۔

تہمینہ 125 ... کھب

ہمیشہ کی سچی ... ہوتی

... عالم

... دروازہ کھلا۔ وہ غصے اور مایوسی کی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوا۔ کئی ماہ سے در در کی ٹھوکریں کھانے کے باوجود شجاع کو نوکری نہیں ملی تھی۔ آج بھی اپنی ڈگریوں اٹھائے وہ ناکام لوٹ آیا تھا۔ شجاع کو نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ گھر کا چولہا بھی بمشکل جل رہا تھا۔

... وہ ... گاڑی شجاع کے گھر کے سامنے رکی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور عبدالرحمن پاشا (بارعب شخصیت کا مالک شخص) باہر نکلا۔ ... دستک کی آواز سن کر شجاع نے دروازہ کھولا اور پاشا کو سلام کیا۔ (حقیقت شجاع پر عیاں تھی یا وہ سمجھنا چاہتی تھی) شجاع نے سلام کا جواب دیا۔ پاشا نے اسے نوکری کی

مجیب الحسن پاشا نے ایک کاغذ شہباز کے ہاتھ میں تھما کر بولا "یہ نوکری کرنے پر تمہیں ہماری جانب سے مستقل رہائش کے لیے ایک مکان ملے گا اور تمہارے گھر کا سارا خرچہ بھی افسران کا مگر تمہیں یہ نوکری راز میں رکھنی ہوگی۔" یہ کہہ کر پاشا اپنی گاڑی کی جانب چل دیا۔ ایک دم کچھ سوچ کر وہ مڑا اور بولا "شہباز یاد رکھنا۔۔۔ اگر یہ نوکری تم نے ایک مرتبہ شروع کر دی تو زندگی بھر چھوڑ نہیں سکو گے اور اگر۔۔۔ اس نوکری کے متعلق کسی کو بھی کچھ بتایا تو تمہارے اپنے گھر والوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔" پاشا گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی شہباز کی نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔

مجیب الحسن پاشا جیسے لوگ اسی طرح مجبور لوگوں کی مجبوریوں و حالات کا فائدہ اٹھا کر کام نکلوایا کرتے ہیں۔

شہباز خیالوں میں گم چارپائی پر بیٹھا تھا۔ وہ مسلسل اسی نوکری کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے یہ نوکری ہر چیز سے بڑھ کر اہم اور مستقبل کے لیے بہتر محسوس ہو رہی تھی۔

شہباز کو نوکری کی شرائط پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ شہباز کو ہر شرط قبول تھی۔ شہباز نے نوکری کے لیے ہاں کر دی۔ نوکری کے شروع کے دنوں میں مجیب الحسن پاشا شہباز کو اپنے ساتھ لیتا رہا اور شہباز کو بھی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے یہ نوکری کس لیے دی گئی ہے۔

جب کچھ عرصہ وقت گزر چکا تھا۔ شہباز کو [illegible] کے قریب ایک گم نام [illegible] میں نوکری ملی۔ پاشا یہاں بچے اغوا کر کے لاتا اور اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے شہباز سے ان معصوم بچوں کی [illegible] کرواتا۔ شہباز کا ضمیر اسے مسلسل ملامت کر رہا تھا۔ وہ اپنے ملک کے ساتھ غداری کر رہا تھا۔ اپنے بچوں سے مستقبل کی خاطر اس نے کتنے بچوں کا مستقبل تباہ کر دیا تھا۔ شہباز اپنے ملک کے ساتھ غداری نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ "ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی" یہ نوکری اسے جو سب سے بہتر اور مستقبل کے لیے بہتر محسوس ہو رہی تھی وہ بے روزگاری سے بھی بدتر تھی۔

شہباز اپنے بچوں سے ملنے گھر گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور قریب بٹھا کر کہا "ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی" کبھی کسی چیز کو چمکتا دیکھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ خوب غور کر لینا اور

حد سے شامل کر جاؤ گے پھر اتنا ہی مشکل سا ہو جائے گا۔ بالآخر شہباز فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا وہ مزید غلط کام نہیں کرے گا۔

[illegible] 115 [illegible]

بلند مقام

[illegible]

مریم کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ مریم کی ماں وفات پا چکی تھیں۔ اس کے والد نے مریم کو میٹرک کروا کر آگے پڑھنے سے روک دیا اور کہا کہ اب میرے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ میں تمہیں آگے پڑھا سکوں۔ مریم اپنے والد کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے والد کو بے حد دکھ ہوا۔ اگلے دن مریم کے والد ایک فارم لائے اور کہا کہ اسے بھر دو۔ اسلم صاحب نے کہا کہ وہ تمہاری تعلیم کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ فنڈ سے تمہیں پیسے دیں گے۔ مریم نے یہ فارم اپنے والد کو واپس دیتے ہوئے کہا کہ ابا جان میں ان پیسوں کی حق دار نہیں ہوں۔ ان پیسوں کے حق دار غریب مستحق اور مجبور لوگ ہیں۔ آپ یہ فارم واپس کر دیں۔ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ مریم کی بات سن کر اس کے والد کا سر فخر سے بلند ہو گیا لیکن اس بات کی بھی خوشی تھی کہ ان کی بیٹی اچھے خیالات کی مالک ہے۔ اگلے دن مریم اپنی ٹیچر کے گھر گئی اور انہیں ساری بات بتا دی۔ مریم کی ٹیچر نے اس کے جذبے کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ میرے پاس کچھ بچے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آتے ہیں اگر تم چاہو تو میں انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گی۔ مریم نے اپنی ٹیچر کا شکریہ ادا کیا اور رضامندی ظاہر کر دی۔ مریم کی ٹیچر نے اسے کچھ پیسے بھی دیے کہ وہ ان پیسوں سے کالج میں داخلہ لے لے۔ بعد میں یہ پیسے آہستہ آہستہ مجھے واپس کر دینا۔ مریم شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی۔ اس کے گھر کے حالات کافی بہتر ہو چکے تھے۔ مریم کی ٹیچر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کمپیوٹر کورس کر لے تاکہ وہ کسی اچھی جگہ پر ملازمت کر سکے۔ مریم اس پر رضامند ہو گئی اور کمپیوٹر کورس کرنے لگی۔ کمپیوٹر کورس کرنے کے بعد وہ کسی کالج میں ملازمت کرنے لگی اور ترقی حاصل کرنے لگی۔ وہ اپنی ٹیچر کی احسان مند تھی کہ انہوں نے مشکل وقت میں مریم کا ساتھ دیا۔ اسی طرح مریم نے بلند مقام حاصل کر لیا اور کبھی ہمت نہ ہاری۔ اگر مریم ہمت ہار جاتی تو کبھی کام یابی حاصل نہ کر پاتی۔

[illegible] 98 [illegible]

☆☆☆



جب سمندر آج ہی کی طرح پُرسکون ہو تو ہم کافی آسانی سے جزیرے پر جا سکتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں کیسے سمجھ آیا؟" طارق نے اپنی عینک سنبھالی اور پھر کسی نے گویا شعور ہی حیرت سے کھوئے رنگ... وہ ایک کشتی تھی جو ساحلِ سمندر سے ایک میل دور کوئی چلا رہا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ مظہر نے انہیں بتایا تھا کہ میلوں دور تک یہاں اس کے علاوہ کسی کے پاس کشتی نہیں ہے۔ چچی نے بتایا تھا کہ اس ساحل سمندر پر دور دور تک کوئی نہیں رہتا سوائے چچا نے بتایا کہ چھ سات میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ طارق بولا: "پھر کوئی جزیرے کے مغربی جانب آئی اور کس کی کشتی ہے؟ مظہر کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟"

طارق آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ صرف مظہر ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے سورج کی طرف دیکھا وہ کافی اونچائی پر تھا۔ اب کھانے کا وقت تھا اور اسے واپس جانا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ راستے میں مظہر کی کشتی کو دیکھتا جائے گا کہ کیا وہ اپنی جگہ پر بندھی ہوئی ہے اور اگر کشتی نہ ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ دور کشتی میں مظہر ہی ہے لیکن کشتی وہیں موجود تھی اور اپنی مخصوص جگہ پر بندھی ہوئی تھی۔ پانی کی لہریں اسے آہستگی سے ادھر ادھر کر رہی تھیں اور مظہر بھی وہیں موجود تھا جو لکڑی کے گھرے ... کو پرانی خانے میں استعمال کرنے کے لیے اکٹھے کر رہا تھا۔ پھر کشتی والا شخص کوئی اور تھا اور کہیں اکیلا ہی رہتا تھا اور اس کی اپنی کشتی بھی تھی۔ طارق دوڑ کر دوسرے بچوں کے پاس پہنچا، وہ یہ سن کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی اور کہنے لگے: "ہم جا کر دیکھیں گے کہ وہ شخص کون ہے۔ اس سے دوستی کریں گے تاکہ اس کی کشتی پر سوار ہو کر مچھلیاں پکڑ سکیں۔"

سلمیٰ کہنے لگی: "یار طارق تم نے بڑا کام کیا اور آخرکار تمہاری عینک نے پرندوں کے علاوہ تمہیں کچھ اور بھی دکھانا شروع کر دیا ہے۔" طارق نے کہا: "ہم کل جا کر دیکھیں گے میں تو ایک دفعہ دوبارہ جزیرہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ دیکھ سکوں کہ وہاں کوئی نایاب پرندے ہیں۔ بس مجھے لگتا ہے کہ مجھے ہر حال میں وہاں جانا چاہیے۔" ... نے کہا: "کوئی مظہر کو نہ بتائے کہ ہم نے کسی اور کشتی والے کو دیکھا ہے، وہ ہمیں روکنے کی کوشش کرے گا۔ اسے ہماری اس دلچسپی سے بہت نفرت ہے۔ لہٰذا فیصلے کے مطابق بچی اور مظہر نے اس اجنبی کشتی والے کا ذکر نہیں کیا۔ وہ تدبیر کر چکے تھے کہ کل صبح اسے تلاش کریں گے اور اس سے بات کریں گے لیکن اگلی صبح کے ہونے سے پہلے ہی کچھ ہوا تھا۔

رات کی مہم

اس رات طارق سو نہیں سکا۔ پورا چاند تھا ہوا سے کھڑکی سے

نظر آ رہا تھا۔ چاندنی چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ نیچے لیٹے چاندنی کے نیچے اس قبال کو گھورتا رہا۔ وہ اس میں پرانے سمندر کے بگلوں کے متعلق سوچتا رہا تھا اور ان سیاہ بگلوں کے متعلق جو چٹانوں پر کھڑے رہتے ہیں جن کی چونچیں پوری طرح کھلی رہتی ہیں۔ اتنی دیر تک جب تک وہ کوئی ہلتی مچھلی شکار نہیں کر لیتے۔ اسے دکھ ہوا جب یہ یاد آیا کہ صبح ہی اس نے اسے دیکھا تھا اور بہت پراسرار لگا تھا۔ وہ دنیا کے شور سے کتنا پرے اور تنہا تھا لیکن پھر بھی سب کا کہنا تھا کہ کبھی لوگ وہاں رہتے تھے اور اب وہاں کوئی کیوں نہیں رہتا تھا اور وہ کیسی جگہ تھی؟ عمر ریق نے سوچا۔ "کاش! ممکن ہوتا تو میں آج رات ہی ادھر سے ہو آؤں۔" یہ سوچ کر وہ گدے سے شور مچائے بغیر اترا۔ اس نے معاذ کو بھی نہیں جگایا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا اور باہر جھانکنے لگا۔ سمندر چاندنی کرنوں سے دمک رہا تھا۔ ادھر سیاہ کھڑی چٹانوں کے سائے بڑے بڑے دیوؤں کی صورت میں سمندر پر پڑ رہے تھے۔ عام دنوں سے سمندر آج رات بہت پرسکون تھا اور ہوا کی تیزی میں بھی بہت کمی تھی۔ تبھی کچھ ہوا عمر ریق کے کھڑکی میں کھڑے ہونے کی وجہ اس کے کانوں میں کوئی سرگوشی کر جاتی تھی۔ پھر اچانک وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ ایک کشتی پانی میں اس کی طرف آ رہی تھی۔ ابھی وہ کنارے سے خاصی دور تھی لیکن وہ ساحل کی طرف ہی آ رہی تھی۔ یہ کس کی کشتی تھی؟ عمر ریق نے بہت غور سے دیکھا لیکن اسے نظر نہیں آیا۔ ایک کشتی رات کے وقت یہاں! یہ بہت حیرت انگیز بات تھی۔ اس نے سوچا کہ میں معاذ کو جگاتا ہوں۔ وہ معاذ کے گدے کے پاس پہنچا اور اسے جگانے لگا۔ "معاذ، معاذ! جاگو اور کھڑکی کے پاس آؤ۔" آدھے منٹ میں معاذ مکمل بیدار ہو گیا تھا اور کھڑکی سے عمر ریق کے ساتھ باہر جھانک رہا تھا۔

اس نے بھی کشتی دیکھی اور بہت سکوڑ کر سیٹی ماری جس نے کیل کو بھی جگا دیا جو فوراً عمر ریق کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ معاذ نے پوچھا۔ "یہ کشتی میں صفیہ موجود ہے۔ مجھے تو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کشتی اس کی ہے یا کسی اور کی لیکن عمر ریق آؤ چپکے ساحل پر چلیں اور کشتی کو قریب سے دیکھیں۔ میں تو بہت حیران ہوں کہ یہ کشتی رات کو وہاں کیا کر رہی ہے اور صفیہ کے بارے میں مجھے حیرت ہے کہ وہ ہم سب لوگوں کو بتائے بغیر وہاں سے آیا جاتا رہتا ہے لیکن وہ تو وہ اس وقت کیسے باہر ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ صفیہ ہے۔" انہوں نے گرم کپڑے پہنے، چپلیں پہنیں اور دبے قدموں کے ساتھ چکر کھاتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے۔ جلد ہی وہ چٹانوں والا راستہ عبور کر رہے تھے۔ چاندنی روشنی میں کشتی آہستگی سے کنارے پر آ گئی۔ معاذ آہستہ سے بولا۔ "یہ تو صفیہ کی کشتی ہے۔ اب ہم آسانی سے اسے دیکھ سکتے ہیں اور کشتی سے اترنے والی صفیہ ہی ہے۔ وہ اکیلا ہے لیکن اس کے پاس کافی سامان ہے۔" عمر ریق کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے وہ مچھلیاں پکڑ رہا ہو۔ آؤ اس کی جاسوسی کرتے ہیں معاذ۔" لڑکے چھپتے چھپاتے وہاں پہنچے جہاں کشتی آ رہی تھی۔ صفیہ چٹان سنبھال رہا تھا۔ اس نے کشتی اس جگہ پہنچی، ٹھہرانی شروع کر دی جہاں وہ ہمیشہ کشتی کو باندھا کرتا تھا۔ لڑکے دم سادھے ایک چٹان کے پیچھے بیٹھے تھے۔ صفیہ نے بڑی کشتی آسانی سے اس کی مخصوص جگہ سے باندھ دی اور پھر کشتی سے سامان نکالنے لگا۔ اسی وقت بائیں طرف کے اس کے قریب جا دھمکے اور بھوتوں کی طرح اچھلتے کودنے لگے۔ کشتی کو زور زور سے ہلانے لگے۔ صفیہ کو کچھ پتا نہ چلا۔ اس کا توازن بگڑا اور وہ کشتی سے سیدھا پانی میں جا گرا۔ اس کے گرنے سے لہروں سے ارتعاش سے چھینٹے فاصلے تک اڑے تھے۔ ہوا خوفناک تھی۔ کچھ پانی اس کے چہرے پر بھی آ کر چاندنی روشنی میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔

لڑکے کو اس کے چہرے کے تاثرات سے تھوڑی بے چینی ہوئی۔ صفیہ پانی سے نکلا، اپنے جسم کو کسی جانور کی طرح جھرجھری لے کر جسم سے پانی جھاڑا اور بڑی تیزی سے لڑکوں کی طرف آیا۔ عمر ریق نے معاذ کو کہا۔ "یہ تو ہمیں کھانے کے لیے آ رہا ہے۔ آؤ یہاں سے بھاگیں۔" مگر جانے والے راستے کے بیچ صفیہ کا مضبوط جسم کھڑا تھا۔ وہ دانت پیس کر بولا۔ "اب میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ اپنے لوگوں کا کیا حشر ہوتا ہے جو رات کو جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔" عمر ریق نے اسے جھکائی دینے کی کوشش کی لیکن صفیہ نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے ہوا میں لہرایا اور عمر ریق کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسی وقت معاذ نے پورے زور سے صفیہ کو دھکا دیا۔ اس دھکے سے صفیہ کا توازن بگڑا اور اس کے ہاتھ سے عمر ریق چھوٹ گیا۔ لڑکے پوری تیزی سے ساحل سمندر پر دوڑنے لگے لیکن وہ اس جگہ نہیں جانے جو گھر کی طرف جاتا تھا بلکہ مخالف سمت

کو ڈھونڈ رہے تھے جو سیٹھ ان کے پیچھے تھا۔ سو تو اچھے ہونے لگا۔ کب وہاں بھی نہیں جا سکتے۔ جیسے آج ہماری پٹائی ہو کر رہے گی۔ معراج اس غار کی طرف چلا گیا تو ہو سکتا ہے ہم اس خفیہ راستے تک پہنچ جائیں۔ ویسے اب ہماری زندگی موت کا مسئلہ ہے۔ میں نہیں جانتا یہ خبیث آدمی غصے میں کیا کر بیٹھے۔ ہو سکتا ہے ہمیں قتل ہی کر دے۔" ہانپتے کانپتے ہوئے دونوں لڑکے آخر غار میں گھس گئے اور اپنی جان بچانے خفیہ راستے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سیٹھ بھی پوری تیزی سے ان کے پیچھے پیچھے تھا لیکن پھر انھوں نے غار کے باہر اپنے سیٹھ کے سانسوں کی آوازیں سنیں۔ وہ رک گیا تھا۔ سب سے زیادہ صفیہ اس تاریک سرنگ میں نہ گھس آئے۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ غار کے دہانے پر کھڑا انتظار کرتا رہا کہ لڑکے دوبارہ غار سے باہر نکلیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ غار کے اندر کوئی خفیہ راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ باہر مشتعل کھڑا تھا اور دل ہی دل میں ان پر اس قدر ایک تیز لہر آئی جس نے سیٹھ کے گھٹنوں کو دبا لیا۔ لیکن تیزی سے آئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں باہر نہیں نکلے تو ساری رات اسی غار میں ہی قید رہیں گے۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ سمندر کی یہ سرکش لہریں لوٹ جائیں گی۔ یہ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہ دونوں لڑکے غار میں ہی ساری رات بسر کریں گے۔ وہ صبح تک سہمے ہی رہیں گے۔ جیسے ہی سمندر کی لہریں صبح کچھ پرسکون ہوں گی، ان کے استقبال کے لیے تیار ہوں گا اور سزا میں ان کو دوں گا، یہ ساری عمر اسے یاد رکھیں گے لیکن لڑکے غار میں بیٹھے کانپ نہیں رہے تھے۔

وہ خفیہ راستے کو ایک بار پھر عبور کر رہے تھے لیکن فرق صرف یہ تھا کہ مہم جیاں موجود نہیں تھیں اور راستہ مکمل تاریک تھا۔ خفیہ راستہ بہت زیادہ تنگ ہو گی مگر سیٹھ سے زیادہ نہیں۔ آخر وہ خفیہ دروازے پر پہنچے اور اسے دھکا دے کر کھولا۔ پھر وہ اوپر چڑھ کر تہہ خانے والے تہہ خانے میں پہنچ گئے مگر دروازہ بند کر دیا۔ معراج نے کہا۔ "میرا خیال ہے اور ہم دونوں مل کر دوسرا راستہ بھی ڈھونڈ لیں گے۔ تمہیں وہ راستہ تو یاد ہی ہو گا۔ میں تو بھول گیا ہوں۔" وہ باتیں کرتے وقت سرگوشی سے، وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ معاذ کو یقین تھا کہ وہ راستہ جانتا ہے لیکن پھر اسے یکلخت کی

خوشی نے بعد احساس ہوا کہ وہ راستہ بھول چکا ہے۔ انھیں دوسرے تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ انھوں نے دروازہ ڈھونڈنے کے لیے بے چین تھے اور آخر کار تمام قسم کے کئی دیواروں کو گرا کر انھیں دروازہ نظر آیا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ وہ شکر کر رہے تھے کہ انھیں نے چابی اڑا لی تھی۔ معاذ نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا جس سے دوسری طرف لگے الماری تھا ایک زور دار دھماکے سے نیچے گر گئی جس کی گونج تہہ خانے کے کونے کونے میں گئی۔ دونوں لڑکے دم بخود کھڑے رہ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ شاید کسی نے سنا ہو تو ادھر آئے لیکن کوئی نہیں آیا۔ انھوں نے اپنے اوپر ترتیب سے لگا دیے۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر چاند کی روشنی میں چمکتے باورچی خانے میں آ گئے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ سیٹھ کہاں ہو گا۔ کیا وہ ابھی تک غار کے دہانے پر کھڑا ان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہو گا لیکن وہ وہاں نہیں تھا وہ تیزی سے اپنی کشتی کی طرف گیا تھا اس میں سے کچھ چیزیں نکال کر پھر جیسے راستے پر چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے سونے والے کمرے میں پہنچا جو باورچی خانے کے بالکل ساتھ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دونوں لڑکے غار میں کانپ رہے ہوں گے جب ایک زور دار آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ آواز ان دونوں سے الماری کی تھی جو تہہ خانے میں گرے نے لیکن سیٹھ کو اس حقیقت کا بھی علم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے سونے والے کمرے میں کھڑا تھا جیسے اس کے پاؤں زمین سے جڑ گئے ہوں۔ یہ آواز آخر کیسی تھی؟ اس نے پتا کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اگر وہ کر لیتا تو وہ ان دونوں کو چاند کی روشنی میں باورچی خانے سے چھری چوری کرتا ضرور دیکھ لیتا۔ وہ انھیں تازے چوہوں کی سی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ضرور دیکھ لیتا۔ جلد ہی دونوں لڑکے اپنے سونے والے کمروں پر تھے، وہ بھی سلامت پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ سیٹھ ابھی تک وہی کھڑا ان کا انتظار کر رہا ہو گا اور ادھر صفیہ کی پاجیں کھل گئی۔ یہ سوچ کر ابھی دونوں لڑکے غار میں ہوں گے صبح وہ اس کیسے ہتھیار سے لیس ہو کر جائے گا اور انھیں یاد رہنے والی سزا دے گا۔ آخر کار وہ سب سو گئے۔ صفیہ صبح سب سے پہلے بیدار ہوا اور باورچی خانے میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے معمول

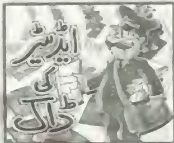
کے کام ختم کر کے پھر ایک مضبوط رسی کو کمر سے باندھ لیا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جب وہ ساحل سمندر پر جا کر دونوں لڑکوں کو دیکھے۔ سمندر اس کے خیال کے مطابق اب تک پرسکون ہو چکا ہوگا کہ اب لڑکے غار سے باہر نکلنے کی سوچ رہے ہوں گے۔ پھر شدید حیرت سے اس کے پاؤں جیسے جم کر رہ گئے جب اس نے دیکھا کہ چاروں بچے ہنستے ہوئے باورچی خانے میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہ آپس میں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ "آج پتا نہیں ناشتے میں کیا ملے گا۔ مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔" "لڑکو! کیا تم رات کو جلدی سو گئے تھے" یہ جملہ صفیہ کے منہ سے نکلا۔ "ہم ساری رات بہت گہری نیند سوئے ہیں۔" پھر عرفی بھی گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اسے صفیہ کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر بہت مزا آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "بڑی گہری نیند تھی۔ میرا خیال ہے کنگی نے کئی دفعہ ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالی لیکن وہ بھی ہمیں جگا نہیں سکا۔" ترکینی نے پوچھا۔ "صفیہ آنٹی ناشتے میں کھانے کو کیا ملے گا؟" دونوں لڑکیاں لڑکوں سے ان کی رات کی مہم کے بارے میں سن چکی تھیں۔ اب وہ بھی لڑکوں کے ساتھ مل کر صفیہ کو چڑا رہی تھیں جو ابھی تک سوچ رہا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے اور لڑکے ابھی بھی غار میں ہی ہیں۔ آخر صفیہ نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں لڑکے ساری رات اپنے کمرے میں سوتے رہے ہو؟" اسے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ کانوں پر۔ معاذ نے لاپروائی سے کہا۔ "تو ہم اور کہاں سوتے ہیں، کیا آپ والے جزیرے پر؟" صفیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور وہ واپس مڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رات کو وہ [illegible] پر لڑکے نہیں گزر سکتے۔

یہ بھی سچ تھا کہ وہ ان دونوں کے چہرے بالکل واضح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ عرفی اور معاذ ہی تھے۔ اب ایسا ہونا ناممکن لگ رہا تھا۔ اتنی اونچی لہروں کی موجودگی میں کوئی بھی اس غار سے باہر نہیں نکل سکتا تو پھر یہ لڑکے کیسے نکل آئے ہیں۔ اس کے لیے بہت پریشانی کا عالم تھا اور صفیہ کو یہ سب پسند نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا کہ اسے غاروں کے پاس جا کر دیکھنا چاہیے کہ غاروں سے کون نکلتا ہے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ رات اس کی جاسوسی کون کرتا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ غار کے پاس گیا اور وہاں کسی کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن یہ بھلا کون سی حیرانی والی بات تھی کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ عرفی تو پھر پہلے راستے پر کھڑا صفیہ کی بے بسی دیکھ رہا تھا۔ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "اسے صورت حال کی قطعی سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ سب سے اچھا ہم نے یہ کیا کہ خفیہ راستے کا ذکر کسی سے نہیں کیا جس کا بھرپور فائدہ ہم نے کل رات حاصل کیا ہے۔" ترکینی کہنے لگی۔ "صفیہ! اب تم دونوں کو بھی ان چیزوں میں شامل کرنے کا جن سے وہ ہمیں ہمیشہ دور رکھ رہا ہے۔" "بے چارہ صفیہ!" "ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم وہ چھوٹے بچے نہیں جو اس کی باتوں سے ڈر جائیں گے۔" گاوب پوچھنے لگی۔ "آج جب ہم کام ختم کر لیں گے تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ بہت سہانا موسم ہے کیا ہم پکنک نہیں منا سکتے ساحل سمندر پر چٹانوں کے اوپر [illegible]۔" وہ باتیں کرتے ہوئے ایک لالٹین بھی صاف کر رہی تھی۔

عرفی ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں وہ آدمی سر راہ مل جائے جسے ہم نے کل دیکھا تھا۔ یہ بہت اچھا ہوگا، ہو سکتا ہے وہ ہمیں اپنی کشتی پر آنے دے۔" ترکینی اپنی چچی جان سے پوچھ لو کیا ہم کھانا اپنے ساتھ لے کر جا سکتے ہیں؟ چچی نے انہیں اجازت دے دی۔ دوپہر ہوتے ہوتے ہی وہ روانہ بھی ہو گئے۔ راستے میں انہیں صفیہ بھی ملا وہ ان سبزیوں میں گوڈی کر رہا تھا جو گھر کے پیچھے اگائی ہوئی تھیں۔ معاذ چلایا۔ "صفیہ کیا تمہاری رات خیریت سے گزری، کیا تم بھی ہماری طرح اچھے بچوں کی طرح ساری رات سوتے رہے؟" صفیہ فوراً غصے میں آ گیا اور انہیں دھمکیاں دینے لگا۔ کنگی نے فوراً اس کی نقل اتارنی شروع کر دی جس سے وہ چڑ گیا اور چھڑی اٹھا کر کنگی کو مارنے لگا۔ کنگی بولا۔ "شرارتی لڑکا! لوٹا اچھے [illegible] شرارتی لڑکا!" اب وہ لڑکے صفیہ کی پہنچ سے باہر جا چکے تھے۔

پرویز صاحب

معاذ اور بچے جب چٹانوں پر چڑھ رہے تھے، انہوں نے پوچھا۔ "مسٹر عرفی، تم نے اس اجنبی کشتی کو کہاں سے دیکھا تھا؟" عرفی اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہاں دور ہے۔ چٹانوں کے پیچھے۔ وہ بہت بڑی کشتی تھی شاہانہ انداز والی۔ پتا نہیں جب اس کا مالک اسے استعمال نہیں کرتا تو کہاں کھڑا کرتا ہوگا لیکن وہ جو بھی ہے، کہیں قریب ہی رہتا ہے۔ مجھے تو وہ اچھا لگتا ہے۔" (باقی آئندہ)



مدیر تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

امید ہے کہ تعلیم و تربیت کا تمام عملہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہو گا۔ ماہ دسمبر کا تعلیم و تربیت دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ رسالہ ہمیشہ کی طرح دل چسپ کہانیوں اور معلومات کا خزانہ تھا۔ اسلامی صفحات میں حضور ﷺ کے فضائل اور آپ ﷺ کا بچپن معلومات افزا اور بالترتیب حقیقت اور بابرکت تحریریں تھیں۔ [illegible] نصیحت آموز اور دل چسپ کہانی تھی۔ سنہری [illegible] کی مالکن، [illegible] اور دیانت کو سلام۔ [illegible] مثالی کی [illegible] دل چسپ اور سبق آموز تھیں۔ [illegible] بچوں کو اسکول پہنچایا معلومات سے بھرپور تھیں۔ [illegible] ٹیٹرا سائیکلین (Tetracycline) کے بارے میں معلومات انمول تھیں۔ ابھی باقی [illegible] قائداعظم کا مضمون چھاپ کر آپ کا رسالہ بے پناہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ کاش ہمارا معاشرہ قائداعظم کے سنہری اصولوں پر عمل کر کے دینی اور دنیوی کام یابیاں حاصل کرے۔ (آمین) ہمارے گھر کے بزرگ فرماتے ہیں کہ انھوں نے 1964ء میں تعلیم و تربیت میں بچوں کا ایک ناول [illegible] پڑھا تھا۔ اس کے مصنف مرزا ادیب [illegible] تھے۔ ناول دل چسپ تھا۔ میں بھی اس کو پڑھنا چاہتا ہوں۔ وہ ناول مجھے کہاں سے ملے گا۔ [illegible] (محمد [illegible])

دسمبر کا شمارہ [illegible] کی طرح اس ماہ بھی حسین تحریروں کا گل دستہ تھا۔ [illegible] پیارے نبی ﷺ کا بچپن بہت اچھا لگا۔ [illegible] نے بہت کچھ سکھایا [illegible] کسان [illegible] بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ آئیے مسکرائیں نے خوب ہنسایا۔ [illegible] پڑھ کر بہت اچھا سبق ملا۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کے تمام کارکنوں کو صحت اور تندرستی عطا فرمائے۔ میرے اس خط کو ردی کی ٹوکری سے بچانا کیوں کہ مجھے ردی کی ٹوکری سے بہت نفرت ہے۔ وہ میرے پہلے بھی بہت سارے خط ہڑپ کر چکی ہے۔ (محمد سلیمان ساقی، [illegible])

پیاری آپی اور [illegible] السلام علیکم! تقریباً ایک سال کے بعد حاضری ہو رہی ہے۔ اس دفعہ تعلیم و تربیت 6 جنوری کو مل گیا ورنہ تو 10 جنوری کو ہی ملا کرتا ہے۔ اسی لیے حاضری نہیں دے پائی۔ رسالہ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی شان دار تھا۔ ماہ ربیع الاول گزرتا چلا جا رہا ہے اور 2017ء کا آفتاب بھی اپنے غروب کی طرف گامزن ہے۔ اگر ایک ماہ [illegible] ختم کر دیا جائے تو ہر بچہ پیارے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ پر ضرور روشنی ڈالے اور ہر بچے کے دل میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کا جذبہ پیدا اور مستحکم ہو گا اور پچھلے سال بھی میں نے یہی کہا تھا اور اب بھی یہی میری مرضی ہے۔ آپ کی مہر [illegible] کے لحاظ سے قائداعظم کے بارے میں کم از کم 6 یا 7 تحریریں تو ہونی چاہیے تھیں۔ چلو خیر آپی 2018ء کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ پیارے نونہال قارئین! [illegible] اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ 2017ء میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور کون سی غلطیاں ہوئیں؟ جن سے [illegible] آئیے! ہم عزم کریں کہ 2018ء کا سورج طلوع ہوتے ہی ہم سب [illegible] کر کے رب [illegible] کا شکر ادا کریں گے اور اپنے ملک و ملت کے لیے دعائیں کریں گے کہ اللہ ہمارے ملک کو محفوظ و سلامت رکھے (آمین یارب العالمین) آخر میں آپی ایک شعر کے ساتھ اجازت۔

[illegible] کی دنیا کا وارث ہوں میں
کہ [illegible] آشیانہ

([illegible])

[illegible]

پیاری پیاری [illegible] السلام علیکم! دسمبر کے [illegible] مبارک کی تصویر دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ [illegible] معلومات افزا [illegible] قائداعظم پر مضمون [illegible] کے سلسلے میں [illegible] قائداعظم خود [illegible] کرتے تھے اور [illegible] کو سلاتے [illegible] شروع کر دیتے تھے کہ [illegible] لوگوں نے میرے [illegible] مجھے ہی [illegible] کرنے چاہئیں۔ اسی طرح کے اصول پسندی کے واقعات اس مضمون میں پڑھ کر اپنے قائد کی بے پناہ عقیدت اور

بہت مزہ آیا۔ [illegible] بہت اچھی لگی۔ نعیم و تربیت [illegible] ماہ مبارک ہو [illegible] قبول کریں۔

(صبا [illegible])

☆ ڈیئر صبا! آپ نے بہت عرصے کے بعد [illegible] ہے۔ تبصرہ کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ اور آپ کے ساتھی [illegible] گئے۔ آپ نے پوچھا ہے تو آپ کو بتا دیں [illegible] شکریہ۔ [illegible] کی جانب [illegible] خوب صورت اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک [illegible] محسوس ہوئی۔ آپ کو بھی [illegible] ﷺ مبارک ہو۔ [illegible] حضرت محمد ﷺ کے [illegible] آپ ﷺ کا بھی [illegible] کرتے ہیں اور کرتے۔ [illegible] بہت اچھا ہے۔ [illegible] بہت اچھی [illegible] یہ ہمارے اللہ کے [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] کے بارے میں بتاتے ہیں تو بہت [illegible] بہت [illegible] کی [illegible] مجھے [illegible] انعام [illegible] خوشی کا [illegible] نہیں [illegible] کرنے کرتے [illegible] اس طرح انعام [illegible] لیے خوشی [illegible] آخر میں [illegible] آپ نے [illegible] بہت [illegible] مجھے بھی [illegible] بہت شوق ہے۔ میں اگر [illegible] تو آپ [illegible] کریں گے؟ [illegible] نہیں [illegible] قابل اشاعت [illegible] طریقہ ہے کیا صرف [illegible] کہانی شائع جب بھی [illegible] قابل اشاعت [illegible] نہیں اور ہم [illegible] بہت امید ہے [illegible] آپ نے [illegible]

([illegible])

☆ ڈیئر [illegible]! آپ کو انعام [illegible] گیا ہے۔ پوسٹ آفس سے [illegible] کہیں کہ اگر آپ کو [illegible] آپ دیگر کہانیوں کے لیے [illegible] کریں۔

[illegible]

بہت دل چسپ [illegible] اگلے شمارے کا بے صبری سے انتظار ہے۔ اس شمارے میں [illegible] باغ باغ ہو گیا اور میں نے [illegible] اس امید کے ساتھ کہ [illegible] ضرور شائع کریں گی۔ میں تو [illegible] باجی کو سلام کرتی ہوں۔ [illegible] مجھے لگتا ہے اس دفعہ بھی آپ میرا [illegible] نہیں [illegible] رسالے کی بھی تھوڑی نہیں زیادہ تعریف ہو جائے۔ [illegible] بہت مزا آیا [illegible] اس کے علاوہ باقی تحریریں [illegible] تمام ہی تمام [illegible] تھیں۔ [illegible] اب بہت [illegible] ہے اگلے [illegible] ملاقات ہو گی اللہ حافظ۔

([illegible])

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ جب میرے گھر تعلیم و تربیت آیا تو سب سے پہلے میں نے [illegible] کا صفحہ کھولا اور اپنی نظم [illegible] بہت خوشی ہے [illegible] آپ کا بہت بہت شکریہ [illegible] رسالہ بہت اچھا تھا۔ سب کہانیاں اور سلسلے بہت دل چسپ [illegible] سلسلوں میں حصہ لے رہا ہوں۔ امید ہے [illegible] تعلیم و تربیت رسالہ [illegible] جب [illegible] اللہ تعالیٰ سے دعا ہے [illegible] تعلیم و تربیت [illegible] ترقی [illegible] رسالے [illegible] (آمین) [illegible]

آخر میں ایک شعر [illegible] چاہوں گا۔

تعلیم و تربیت کی کیا بات ہے
[illegible] سامنے [illegible] ہے

☆ [illegible]

[illegible]

[illegible]



ایک رحم دل بادشاہ رات کو اپنا بھیس بدل کر شہر کا گشت کیا کرتا تھا۔ رعایا سوتی اور بادشاہ جاگا کرتا تھا۔ ایک رات حسب معمول بادشاہ بھیس بدل کر شہر کا گشت کر رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ چار چور دیکھے جو کہیں چوری کرنے جا رہے تھے۔ وہ بادشاہ کو دیکھ کر رک گئے اور پوچھنے لگے۔ ”تم کون ہو؟“ بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ چور سمجھے کہ یہ بھی کوئی ہماری طرح چور ہی ہے اور مطمئن ہو گئے۔

بادشاہ ان کے پاس ہی ٹھہر گیا اور پوچھا۔ ”اتنی رات گئے تمہارا گھر سے نکلنے کا مقصد کیا ہے؟“ وہ بولے۔ ”وہی مقصد ہے جو تمہارا ہے یعنی چوری کرنا۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”اگر چوری کرنی ہے تو پھر شاہی محل میں کرو، وہاں سے بہت بڑا خزانہ ہاتھ آئے گا۔ جو عمر بھر کے لیے ہمیں مال دار بنا دے گا۔“ چوروں نے یہ مشورہ سن کر اس کی ہمت و جرأت کی داد دی اور کہا۔ ”تم بڑے دلیر چور ہو کہ شاہی محل میں چوری کرنے کے بھی خواہش مند ہو۔ تم آج سے ہمارے سردار ہو اور ہم تمہارے تابع دار لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”میرے ہوتے ہوئے تم ذرا ہمت اور کسی مشکل کو مشکل مت سمجھو۔ تیار ہو جاؤ، آج شاہی محل ہی کو لوٹا جائے گا لیکن پہلے یہاں بیٹھ کر ایک منصوبہ تیار کر لو اور اپنا اپنا کمال بیان کرو۔ ہم میں سے ہر ایک بتائے کہ وہ کیا خصوصی کمال رکھتا ہے؟“ چناں چہ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ایک چور بولا۔ ”مجھ میں یہ کمال ہے کہ میں اندھیری رات میں بھی کسی کو دیکھ لوں تو دن میں پہچان لیتا ہوں۔“ دوسرا بولا۔ ”مجھ میں یہ کمال ہے کہ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ دیوار چاہے کتنی اونچی ہو میری پھینکی ہوئی کمند دیوار کے کنگرے کو پکڑ لیتی ہے اور ہم سب بآسانی اوپر چڑھ سکتے ہیں۔“

تیسرے نے کہا۔ ”مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ خزانہ جہاں بھی رکھا گیا ہو، میں اپنی ناک سے مٹی سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ دبایا گیا ہے۔“

چوتھا بولا: ”مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ کتے کی آواز سن کر سمجھ لیتا ہوں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔“ پھر وہ بادشاہ سے پوچھنے لگے۔ ”ہم تو اپنا اپنا کمال بیان کر چکے اب تم بتاؤ تم کیا کمال رکھتے ہو؟“ بادشاہ نے کہا۔ ”مجھ میں یہ کمال ہے کہ اگر مجرم قید میں ہوں اور جلاد انھیں قتل کرنے کے لیے تختہ دار پر بھی لے آئے لیکن میں اپنی داڑھی ہلا دوں تو سارے مجرم قید سے رہا ہو جائیں اور مرنے سے بچ جائیں۔“ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ”واہ کیا کمال ہے واقعی تمہارا کمال سب سے بڑا کمال ہے۔ آج سے تو ہمارا سردار ہے

"کیوں کہ میرا وجود ہماری رہائی کا ضامن ہے۔"

اب وہ سب اٹھے اور شاہی محل کا رخ کر کے چلے۔ راستے میں ایک کتے نے انھیں دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ چور جسے کتے کی زبان سمجھنے میں کمال حاصل تھا، سب اس سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ یہ کتا کیا کہہ رہا ہے؟" وہ بولا۔ "بھائیو، جو کچھ کتا کہہ رہا ہے تم بھی سنو گے تو یقین نہیں کرو گے۔ مگر یہ خدا کا کتا جو کچھ کہہ رہا ہے میں سمجھ رہا ہوں۔" وہ بولے۔ "بتاؤ تو سہی کتا کیا کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ سارے ہنسنے لگے اور بولے۔ "یہ بے وقوف کتا ہے۔ بادشاہ اور ہم میں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے کہا۔ "مجھے پتا ہے یہ بے وقوف کچھ بھی ہو، کتا یہی کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں بادشاہ خود بھی موجود ہے۔"

انھوں نے کہا۔ "ممکن ہے کتے کا مطلب یہ ہو کہ شاہی محل لوٹنے جا رہے ہیں۔" وہ بولا۔ "کچھ بھی سمجھ لو مگر کتا یہی کہہ رہا ہے جو میں بتا چکا ہوں۔"

آگے بڑھے تو شاہی محل کے پاس پہنچے اور کمند پھینکنے والے سے کہا کہ اپنا کمال دکھاؤ اور رسی پھینکو تاکہ ہم سب اوپر پہنچ سکیں۔ اس نے رسی پھینکی جو محل کی دیوار سے اٹک گئی اور یہ سب رسی کے ذریعے اوپر چڑھ گئے۔ اب زمین سونگھنے والے سے کہا کہ زمین سونگھ کر بتاؤ کہ خزانہ کس جگہ موجود ہے۔ چناں چہ اس نے بھی اپنا کمال دکھایا اور زمین سونگھ کر شاہی محل کا خزانہ معلوم کر لیا۔ وہ خزانہ لوٹ کر اسی رسی کے ذریعے محل سے باہر نکل آئے اور شہر سے باہر کسی ویران جگہ میں بیٹھ کر خزانہ تقسیم کرنے لگے۔

بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم مجھے سردار تسلیم کر چکے ہو۔ میری بات مانو اور خزانے کی تقسیم کل تک ملتوی کر دو۔ کچھ دنوں کے لیے صبر کرو اور خزانہ یہیں زمین کھود کر دفن کر دو۔ پولیس کو دوڑ دھوپ اور اپنی کوشش کر لینے دو۔ جب وہ تھک ہار جائیں گے تو ہم اطمینان سے یہاں آکر خزانہ نکال کر تقسیم کر لیں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے تابع دار ہیں جو حکم ہو ہمیں منظور ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کہ اب ہم سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوتے ہیں لیکن میں شہر میں نیا ہوں۔ میں تمھیں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو۔ اپنا اپنا مکمل پتا مجھے لکھوا دو۔ چناں چہ انھوں نے مکمل پتے دے دیے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو چل دیے اور بادشاہ اپنے محل آ گیا۔

صبح ہوئی تو ایک شور مچ گیا کہ شاہی خزانہ لوٹ لیا گیا۔ پولیس بھاگ دوڑ کرنے لگی تو بادشاہ نے ان چوروں کے پتے لکھ دیے اور کہا کہ ان چاروں کو گرفتار کر لو۔ یہی چور ہیں۔ پولیس نے چاروں کو گرفتار کر لیا۔ چاروں چور بڑے حیران ہوئے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ہماری مخبری کس نے کی۔ ہم چاروں تو پکڑے گئے مگر ہمارا سردار گرفتار نہیں ہوا۔ یہ کیا بات ہے۔ عدالت میں پیش ہوئے تو ثابت مجرم ہونے پر انھیں پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرائے اور اپنے سردار کو یاد کر کے اور بھی پریشان ہوئے کہ اب وہ سارے خزانے کا خود ہی مالک بن بیٹھے گا۔ جب انھیں پھانسی کے لیے لے جانے لگے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان چاروں چوروں کو میرے حضور پیش کیا جائے تاکہ اگر یہ اپنی آخری تمنا رکھتے ہوں تو وہ پوری کی جا سکے۔

چاروں چور دربار سلطانی میں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ تاج پہنے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ وہ چور جسے یہ کمال حاصل تھا کہ اندھیری رات میں ایک بار دیکھ لے تو صبح کے وقت اسے پہچان لیتا تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھے ہوئے سلطان کو غور سے دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور اپنے ایک ساتھی کے کان میں کہنے لگا۔ "وہ بھی رات کو کتا ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ ان پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ یہ سامنے تخت پر جو بیٹھا ہے رات کو یہی ہمارے ساتھ تھا۔" دوسرے ساتھی نے کہا۔

"مگر بے وقوف کیا سمجھے ہو رات کو ایک کتے کی بات کا ترجمہ کر کے چور کو بادشاہ بتا دیا اور اس وقت تم بادشاہ کو چور بتا رہے ہو۔" ان کی کھسر پھسر سن کر بادشاہ نے پوچھا کہ تم آپس میں کیا باتیں کر رہے ہو؟

رات کو دیکھ کر دن کو پہچان لینے والا آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "اے ہمارے سردار اپنی داڑھی کب ہلاؤ گے؟ کیا اس وقت جب ہم پھانسی پر لٹکا دیے جائیں گے۔ ہم نے اپنا اپنا کمال دکھا دیا۔ اب تم بھی اپنا کمال دکھاؤ۔ ہمیں پھانسی سے بچاؤ۔" بادشاہ یہ سن کر ہنس دیا اور کہا کہ پہچان لیا تم نے مجھے، لو میں اپنی داڑھی ہلاتا ہوں۔ جاؤ تم سب کو رہا کیا جاتا ہے۔ سب کو رہا کر دیا گیا۔ اسی وقت وہ بادشاہ کے قدموں میں گر گئے اور چوری چھوڑ کر نیک اور صالح بن گئے۔ ☆☆



ماہنامہ تعلیم و تربیت پڑھنے والے بچے جو اب دادا اور نانا بن چکے ہوں گے، وہ اور آج کے بچے جو اس رسالے کے باقاعدہ قاری ہیں وہ ایک نام "سعید لخت" سے یقیناً واقف ہوں گے۔ جی ہاں! آپ ان کی کہانیاں اب بھی اکثر پڑھتے رہتے ہیں۔

آج ہم آپ کا تعارف اس پیاری سی شخصیت سے کراتے ہیں۔

سعید لخت کا اصل نام سعید احمد خان تھا۔ وہ 1924ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں ہی 1878ء میں مولانا محمد علی جوہر بھی پیدا ہوئے تھے۔ سعید لخت کا تعلق یوسف زئی قبیلے سے تھا جو سوات اور بونیر سے ہجرت کر کے رام پور آ کر بس گیا تھا۔ ان کے دادا چاندی خانے (امیروں کے گھروں میں سناروں کے زیور بننے کی جگہ) کے منتظم (انتظام کرنے والے) تھے۔ بعد میں وہ جیلر بھی رہے۔ سعید لخت کے والد لطیف احمد خان درسِ نظامی (مدرسوں میں پڑھایا جانے والا کورس) پڑھے ہوئے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے اور شاعر بھی تھے۔ یہ لوگ رام پور کے محلے گھیر مشتاق احمد خان میں رہتے تھے۔

سعید لخت کو گھر میں لکھنے پڑھنے کا وہ ماحول ملا جو آگے چل کر ان کے لیے کسی نعمت سے کم ثابت نہ ہوا۔ ان کے چچا رشید احمد خان کی ایک بڑے شاعر شاد عارفی سے دوستی تھی، اس لیے گھر میں ادب کا چرچا رہتا تھا۔

جب چوتھی جماعت میں تھے تو اس وقت ہاتھ سے لکھ کر ایک رسالہ نکالا۔ اس کا نام "چاند" تھا۔ یہ انھوں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کیا۔ یہ دراصل آغاز تھا اس کرن کا جسے آگے چل کر ادب اور بالخصوص بچوں کے ادب کے میدان میں سورج بن کر ابھرنا تھا۔

1945ء میں وہ صحافت کے شوق میں مبتلا ہو کر رام پور سے دلی چلے آئے۔ وہاں پر انھوں نے مشہور صحافی دیوان سنگھ مفتون کے اخبار "ریاست" میں کام کیا۔ ان ہی دنوں لاہور کا بڑا نام تھا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں سب سے بڑا اشاعتی اور صحافتی مرکز لاہور ہی کو مانا جاتا تھا۔ خوش قسمتی انھیں لاہور لے آئی۔ دلی سے لاہور آنے کے بعد ان کا رابطہ مشہور اشاعتی ادارے فیروز سنز سے ہوا اور وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیروز سنز، مولوی فیروز الدین نے 1944ء میں قائم کیا تھا۔ آپ کا پسندیدہ تعلیم و تربیت بھی یہی ادارہ شائع کرتا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ بچپن کے دور میں حکیم محمد سعید کی زبان میں لکنت (تتلاہٹ، ہکلا پن) تھی اور ہمارے اور آپ کے پیارے سعید لخت بھی ہکلاتے تھے یعنی لکنت تھی۔ جب لکھنے کا آغاز کیا تو شروع میں نام سعید احمد لکنت لکھا مگر لاہور آنے کے بعد آپ کا نام سعید احمد لخت ہو گیا۔ پھر وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

فیروز سنز اردو کا پہلا معروف انسائیکلوپیڈیا انھوں نے کیا اور دن رات کام کیا۔ اس کے علاوہ فیروز اللغات کے لیے بھی ان کا کام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ وہ ہر وقت کام میں ہی مصروف

رہتے تھے۔ اس لیے محفلوں میں جانا یا دوستوں میں رہنا انھیں پسند نہیں تھا۔

سعید لخت کی کہانیاں بالعموم آسان اور دل چسپ ہوتی ہیں۔ ان کے پڑھنے والے جس کہانی کو ایک بار شروع کر دیں تو پھر آخر تک ختم کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ انھوں نے مزاحیہ کہانیاں بھی لکھیں۔ یہ بات بھی آپ کے لیے دل چسپ ہوگی کہ آپ کے محبوب رسالے تعلیم و تربیت کے وہ ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ وہ 1945ء میں اس کے مدیر بنے اور تقریباً پچیس سال تک اس کے لیے کہانیاں لکھتے رہے اور ادارت بھی کرتے رہے۔ انھیں 1961ء میں بچوں کا مقبول ترین لکھاری کا خطاب بھی دیا گیا۔

سعید لخت اپنی کہانیوں میں محاورے بہت خوب صورتی کے ساتھ استعمال کرتے تھے کہ بچے نہ صرف ان کا مطلب سمجھ جاتے بلکہ وہ اسے خود بھی روزمرہ زندگی میں استعمال کرنے لگتے۔ ان کا دلچسپ انداز تھا کہ وہ محاورے سے پہلے ایک خاص انداز میں اس کی تمہید مکالموں کے ذریعے باندھتے تھے۔ اس طرح اس کا استعمال "آسانی سمجھ میں" آجاتا۔ ان کے ہاں محاورے سر پر اٹھانا، مارا مارا پھرنا، [illegible] جیسے محاورے جا بجا نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ [illegible] بھی روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے لگے۔

بچوں کے لیے سعید لخت کی سب سے پسندیدہ کتاب "حاتم طائی" ہے جو اب تک کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ یہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ ان کی ایک اور کتاب "ہلا کے گھونسلے" 1973ء میں چھپی تھی۔ یہ بھی دل چسپ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اور مجموعہ "ٹکو میاں" ہے جس میں سعید لخت کی تین کہانیاں یادگار ہیں۔ ان میں "اٹلس کر [illegible]" اور "ٹکو میاں" شامل ہیں۔

انھوں نے عالمی ادب سے بچوں کے لیے کئی کہانیوں کے ترجمے کیے جو طبع زاد (خود لکھی ہوئی) کہانیوں کی طرح بے حد دلچسپ اور پرمزہ ہیں۔ ان میں کارلوکولودی کے ناول کا ترجمہ "چابی کے کارنامے" بھی ہے۔ سعید لخت کا ایک خاص انداز بھی رہا کہ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں ہی کتاب میں موجود کہانی سے متعلق بتا دیتے تھے۔ مثلاً چابی کے کارنامے کے آغاز میں وہ یوں تعارف کراتے ہیں: "کہنے کو تو یہ ایک گڑیا کی کہانی ہے لیکن اسے پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی [illegible] کی کہانی پڑھ رہے ہیں۔"

انھوں نے مشہور [illegible] ناول نگار [illegible] کی ایک کہانی کا ترجمہ "قیمتی انسان" کے نام سے کیا ہے۔ [illegible] کے ایک ناول کا ترجمہ "[illegible]" کے نام سے کیا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے "ویلز کی کہانیاں" بھی اردو زبان میں منتقل کی ہیں۔ یہ بے حد دل چسپ اور یادگار کہانیاں ہیں جو اس ملک کے حالات اور روایات سے آگہی دیتی ہیں، جہاں سے ان کا تعلق ہے۔

بچوں کے مشہور ادیب اشتیاق احمد نے کم و بیش آٹھ سو کے قریب جاسوسی ناول لکھے جو بے حد پسند کیے گئے۔ ناول نگاری کے آغاز میں وہ اپنا ناول لے کر فیروز سنز گئے۔ ان کا واسطہ بھی سعید لخت سے پڑا۔ انھوں نے مسودہ لیتے وقت ان سے چند دن بعد آنے کا کہا۔ چند دن بعد جب اشتیاق احمد گئے تو ایک بار پھر چند دن بعد آنے کا حکم ملا۔ اس طرح وہ تین چار چکر لگا چکے تو اس دوران اشتیاق احمد ان سے بدگمان بھی ہوئے مگر چوتھی یا پانچویں بار جانے کے بعد ایک حیرت انگیز انکشاف ان کا منتظر تھا۔ سعید لخت بڑی محبت سے ملے۔ ناول کی پسندیدگی کا اظہار کیا اور قلم کی روانی کے لیے دعا بھی دی۔ جاتے وقت مزید ناول لکھ کر لانے کی فرمائش بھی کی۔ ان کا یہ عمل اشتیاق احمد کے لیے [illegible] کا باعث بنا۔ انھوں نے لکھا کہ جب میرا مسودہ نہ چھپ سکے تو مجھے چند دن بعد بلاتے رہے اور جب چھاپ لیا تو پسند کا اظہار کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

معلومات کے حوالے سے بھی ان کا اہم کام رہا ہے۔ فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا اور فیروز اللغات کے علاوہ دس جلدوں میں "کیا آپ جانتے ہیں؟" مرتب کی اور ایک بچوں کا انسائیکلوپیڈیا بھی انگریزی سے اردو میں منتقل کیا۔ فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا مرتب کرتے وقت ان کی کام سے لگن اور فرض شناسی کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک روز دوپہر میں سخت گرمی کے عالم میں وہ پیدل ہی فیروز سنز سے کافی فاصلے پر واقع ایک اخبار کے دفتر جا رہے تھے۔ ایک ساتھی نے دریافت کیا تو بتایا کہ کئی نامور شخصیات اردو انسائیکلوپیڈیا کے دوسرے ایڈیشن کے آنے تک انتقال کر گئی ہیں۔ ان کا سالِ انتقال کا ریکارڈ مرتب کرنے اخبار کے دفتر جا رہا ہوں تاکہ اخبارات کی فائلوں سے یہ تاریخیں نکال سکوں۔

ان کی بچوں کو نصیحت تھی: "بچے غلطیاں کرتے ہیں، مگر جو بچہ جلدی سنبھل جاتا ہے اور اپنے آپ کو ٹھیک کر لیتا ہے وہ ترقی، عزت اور شہرت بھی حاصل کرتا ہے۔" ان کے دو صاحب زادے ہیں۔ سعید لخت کا انتقال نومبر 2014ء میں ہوا۔ ☆☆☆



مہذب دنیا سے دور ___ سمندر کے اس پار ___ ایک سرسبز جزیرہ تھا۔ اس جزیرے کے چاروں طرف سمندری پانی موجود تھا۔ صدیوں سے اس جزیرے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔ وہاں عجیب مختلف جانوروں اور پرندوں کا بسیرا تھا۔ ڈائنو سارس دندناتے پھرتے تھے۔ یہ گوشت خور بھی تھے اور سبزی خور بھی تھے۔ ان میں چلنے والے، رینگنے والے اور اڑنے والے بھی شامل تھے۔ اس جزیرے پر کالو مکالو بھی رہتا تھا۔ یہ الو کی جسامت کا ایک پرندہ تھا۔ گردن کے اوپر دو سر تھے۔ جو دیکھنے میں طوطے کے سر جیسے نظر آتے تھے۔ دائیں طرف والے سر کا نام "کالو" تھا اور بائیں طرف والے سر کا نام "مکالو" تھا۔ کالو مکالو ابھی بچہ تھا۔ اس کا گھونسلا پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ اس جزیرے میں چرند پرند آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایسی ہی ایک لڑائی میں کالو مکالو کا باپ مارا گیا تھا۔ اب کالو مکالو کی دیکھ بھال کی ساری ذمہ داری اس کی امی کے سر تھی۔ وہ سارا دن خوراک کی تلاش میں رہتی۔ کالو مکالو کے لیے چوگا لے کر وہ گھر لوٹتی تو عجیب صورت حال پیدا ہو جاتی۔ کالو مکالو پرندوں کی جس نسل سے تعلق رکھتا تھا، اس نسل میں نر کے دو سر اور مادہ کا ایک سر ہوتا تھا۔ کالو مکالو کی امی کا تو ایک ہی سر تھا۔ وہ مکالو کو چوگا دیتی تو کالو چلاتا اور جب وہ کالو کو چوگا دیتی تو مکالو چلاتا بھی اور ساتھ ہی اپنی چونچ کی مدد سے کالو پر حملہ بھی کرتا۔ مکالو کے اس برتاؤ کی وجہ سے کالو مکالو کی امی پریشان رہتی۔ وہ اکثر مکالو کو سمجھاتی۔

"میرے بچے ___ دو سر ہوتے ہوئے بھی تم ایک ہی ہو۔ ایک دوسرے کا خیال رکھو۔ اسی میں فلاح ہے۔ ورنہ ___"

"ورنہ کیا امی۔" مکالو نے پوچھا۔

"میں تمہیں ایک کہانی سناتی ہوں۔" امی کی بات سن کر مکالو کے ساتھ ساتھ کالو بھی متوجہ ہو گیا۔

"پہاڑ کے نیچے وہ جنگل دیکھ رہے ہو۔" امی نے پوچھا۔

"جی امی جان۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"وہاں بہت سارے درخت ہیں۔ وہاں ایک بہت بڑا، بلند اور پھل دار درخت بھی موجود ہے۔ سال میں بس ایک بار اس درخت کو پھل لگتا ہے مگر یہ پھل کوئی نہیں کھاتا۔"

"وہ کیوں امی۔" کالو مکالو نے پوچھا۔

"اس درخت کا پھل زہریلا ہے۔ یہ پھل کھانے سے پرندے مر جاتے ہیں۔ اس لیے تمام پرندے اس درخت سے دور

رہتے ہیں۔"

"پھر کیا ہوا امی جان۔" کالو نے پوچھا۔

"ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ سال میں بس ایک ہی بار اس درخت کی چوٹی پر ایک پھل لگتا ہے اور یہ پھل زہریلا بھی ہوتا ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک مرتبہ اس پھل نے درخت کے ساتھ ایک عجیب سی ضد لگا لی۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے دنیا دیکھنے کا شوق ہے۔ ایک ہی جگہ پر لٹکے لٹکے میں اکتا چکا ہوں۔ درخت نے اسے سمجھایا کہ تم میرے بیٹے ہو، میرے ساتھ جڑے رہو گے تو زندہ رہو گے۔ ورنہ تم مر جاؤ گے۔ وہ پھل یہ بات سمجھ نہیں پایا۔ دنیا دیکھنے کی خواہش نے اس سے اس کی عقل چھین لی تھی۔ ایک دن درخت سے الگ ہونے کے لیے اس نے زور لگایا۔ اس دن ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ درخت کی شاخ سے جدا ہو گیا۔ احمق پھل دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ اب اس کے ارد گرد گھاس موجود تھی۔ آسمان کے علاوہ وہ کچھ نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ درخت کی بلندی پر وہ قریب اور دور کے مناظر دیکھ سکتا تھا۔ دنیا دیکھنے کی خواہش میں وہ اس نظارے سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ درخت کی شاخ سے اسے زندہ رہنے کے لیے خوراک ملتی تھی۔ اب وہ رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تروتازگی ختم ہوتی چلی گئی اور پھر وہ مر گیا۔" کہانی ختم ہو چکی تھی۔ کالو مکالو حیرت سے امی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ کہانی سمجھ نہیں پائے تھے۔ اس کہانی کا نتیجہ تو امی پہلے ہی انہیں بتا چکی تھی۔ امی نے مزید تکرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور مکالو اپنی ہٹ پر قائم رہا۔ وہ کالو کے حصے کی خوراک خود ہی کھا جاتا تھا اور پہلے کی طرح کالو پر حملہ بھی کرتا تھا۔ اب کالو مکالو بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے پرواز کرنے کا سلیقہ بھی سیکھ لیا تھا۔ ایک صبح امی نے کالو مکالو سے کہا۔

"جاؤ بیٹا۔۔۔ اور اب اپنے حصے کا رزق خود تلاش کرو اور سنو۔۔۔ غور سے سنو۔۔۔ اس درخت کے زہریلے پھل کے پاس کبھی مت جانا۔" کالو مکالو نے امی سے وعدہ کیا اور پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اب وہ جنگل کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ جنگل میں سے پرندوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھنے والا تھا۔ جہاں خوراک کے ساتھ ساتھ اسے نئے دوست بھی ملتے۔ دوست ڈھونڈنے سے پہلے پیٹ بھرنا بہت ضروری تھا کیوں کہ اسے شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ پھڑپھڑاتے ہوئے ایک پھل دار درخت کی شاخ پر آ بیٹھا۔ یہ شاخ میٹھے اور رسیلے پھلوں سے لدی ہوئی تھی۔ مکالو نے ایک پھل پر چونچ چلائی۔ دوسری طرف کالو نے بھی ایک پھل توڑنے کی کوشش کی۔ اسی پل مکالو نے حسب عادت کالو پر حملہ کر دیا۔

"خبردار۔۔۔ جو تم نے پھل کھانے کی کوشش کی۔" مکالو نے غصے سے کہا۔

"کیوں۔۔۔ میں کیوں نہ کھاؤں۔" کالو حیرت سے بولا۔

"میں کھا رہا ہوں نا۔۔۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیا۔۔۔ یہ بھلا کیا بات ہوئی۔" کالو کی حیرت کا عالم دیکھنے والا تھا۔

"احمق کالو۔۔۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کھانے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔" مکالو نے پوچھا۔

"ہم پیٹ بھرنے کے لیے کھانا کھاتے ہیں۔" کالو بولا۔ "تو پھر بس۔۔۔ بات ختم ہو گئی۔۔۔ میں کھاؤں گا۔ ہمارا پیٹ بھر جائے گا۔ پھر تمہیں کھانے کی ضرورت کیا ہے۔ کھانا کھانا مشقت والا کام ہے۔ یہ مشقت مجھے کرنے دو۔ تم آرام کرو۔" مکالو کا فلسفہ سن کر کالو پریشان ہو گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پایا۔ جانتا تھا کہ مکالو اس کی پٹائی کر دے گا۔

اب کالو کی حق تلفی کرنا مکالو کا معمول بن گیا۔ کھانے اور خوش رہنے کی وجہ سے مکالو کا چہرہ شاداب تھا۔ جب کہ کالو کا چہرہ غم زدہ اور پریشان رہنے کی وجہ سے مرجھا چکا تھا۔ وہ خوراک کی لذت سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ ہر پل سوچتا رہتا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ وہ زندگی سے اکتا چکا تھا۔ پھر اس نے سوچ لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس روز کالو مکالو خوراک کی تلاش میں جنگل میں آیا تو اس کی پرواز کا رخ اس درخت کی طرف تھا۔ جس پر زہریلا پھل لگتا تھا۔ کالو کو امی کی سنائی کہانی یاد تھی۔ مگر مکالو یہ کہانی بھول چکا تھا۔ اسے یہ کہانی تب یاد آئی جب کالو مکالو اس درخت کی چوٹی پر آ بیٹھا۔ وہ زہریلا پھل ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔

"احمق کالو۔۔۔ یہ کہاں آ گئے ہو؟" مکالو نے اسے ڈانٹا۔

"کیا کرتا۔۔۔ مجبور ہوں۔۔۔ تم مجھے کوئی پھل کھانے نہیں



دیتے۔ اب میں یہ پھل کھاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ تم یہ پھل کھانے کے لیے ضد نہیں کرو گے۔"

"احمق کالو... امی نے جو کہانی سنائی تھی۔ تم وہ کہانی بھول چکے ہو۔ تم بھول چکے ہو کہ یہ پھل زہریلا ہے۔ اسے کھانے کے بعد ہم مر جائیں گے۔" مکالو کی بات سن کر کالو اداسی سے ہنس پڑا۔

"مجھے امی کی سنائی کہانی یاد ہے مگر افسوس تم وہ کہانی بھول چکے ہو۔ میں تو یہاں مرنے ہی آیا ہوں۔ بھلا اس زندگی میں بھی کوئی مزا ہے کہ میں کسی پھل کا ذائقہ تک نہ چکھ پاؤں۔ اب تو میں اس زہریلے پھل کے ذائقے سے ہی لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں، پھر تم مجھے روک نہیں سکتے۔" کالو فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"رک جاؤ کالو... مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ اب میں تمہیں برابر کا موقع دوں گا۔" کالو کو پرعزم دیکھ کر مکالو رونے لگا۔

"بس ایک بار معاف کر دو... بس ایک بار۔" اسے یوں روتا دیکھ کر کالو کا دل پسیج گیا۔

"میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں... کیوں کہ ہم ایک ہی ہیں۔" کالو نے اسے معاف کر دیا تھا۔

اب کالو مکالو وہاں سے اڑے اور پھر ایک پھل دار درخت کی شاخ پر آ بیٹھے۔ کالو کو پورا یقین تھا کہ آج وہ ایک عرصے کے بعد پھل کے ذائقے سے لطف اٹھائے گا۔ میٹھا اور رسیلا پھل اس کی آنکھوں کے سامنے جھول رہا تھا۔ یہ پھل دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے پھل کی طرف اپنی چونچ بڑھائی۔ اگلا لمحہ قیامت خیز تھا۔ مکالو نے پھر سے کالو پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی چونچ سے کالو کی گردن کے بال نوچ رہا تھا۔

"احمق کالو... میری غفلت کی وجہ سے تم اس درخت تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے مگر اب تم کبھی اس درخت تک پہنچ نہیں پاؤ گے اور نہ ہی پھلوں کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے والی بات... تو اس پر میرا حق ہے... بس میرا۔" مکالو، کالو پر چلا رہا تھا۔ غم کی شدت سے کالو کا برا حال تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور پھر اس کا سر ڈھلک گیا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پایا تھا۔ کالو کے مرنے کی دیر تھی کہ مکالو کا سانس بھی اکھڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ کالو مکالو کے دو سر تھے مگر جسم تو ایک ہی تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ کالو کی موت کے بعد مکالو زندہ رہ پاتا۔ دوسرے ہی لمحے کالو مکالو نشیب میں گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ جو اپنے ہاتھوں سے اپنی کشتی میں سوراخ کرے، اسے ڈوبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ☆☆☆

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
☆
مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے

بلا عنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان سوچ کر بھیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 جنوری 2018ء ہے۔

دسمبر 2018ء کے "بلا عنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے بذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]



ہونہار مصور

موسم سرما کے پھول



(پہلا انعام 185 روپے کی کتب)



(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



(تیسرا انعام 125 روپے کی کتب)



(چوتھا انعام 115 روپے کی کتب)



(پانچواں انعام 95 روپے کی کتب)